احبابِ دیوبند کی کرم فرمائیاں

اہلِ حدیث پر

از

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ

مقدمہ

حافظ عبد الحمید ازہر

تنظیم الدعوۃ الی القرآن و السنۃ

احبابِ دیوبند کی کرم فرمائیاں

اہلِ حدیث پر

از

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ

مقدمہ

حافظ عبد الحمید ازہر

ناشر .... تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ۔
طبع اول جون2000ء
مطبع .... موٹروے پرنٹرز

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِاللَّهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُأَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَ أَشْهَدُأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَ نِسَاءً و اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَ الأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ فَازَفَوْزًا عَظِيمًا﴾

والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين و خاتم المرسلين و على آله و صحبه أجمعين و من تبعهم باحسان إلى يوم الدين .... أما بعد

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو فکر وارادہ کی خصوصیت سے بہرہ مند فرما کر خلافت ارضی کی خلعت سے نوازا تو یہ بار امانت ان کے سپرد کرتے ہوئے ان پر واضح کر دیا گیا کہ تمہیں زمین کی پستی سے اٹھانے اور جنت کے ابدی مالک بنانے کے لئے فیض ربوبیت ارزاں وفراواں ہو گا۔

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرہ۔۳۸)

"جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ ان کو کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔"

سلسلۂ نبوت ورسالت کا مقصد

چنانچہ سلسلۂ نبوت ورسالت کا اجراء، اور صحائف وکتب کا نزول اسی وعدۂ الٰہی کا ایفا تھا، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد انسانی قوت فکرونظر کو جلادینا اور عقل انسانی کو ٹھوکروں سے مامون ومحفوظ کرنا ہی تھا اسی لئے رہنمائی اور ہدایت کا پورا سامان ان کے ساتھ بھیجا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ أَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید۔ ۲۵)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور ترازو اتارا تاکہ لوگ نظام عدل قائم کرسکیں۔"

نیز فرمایا:۔

﴿جَائَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ (فاطر۔ ۲۵)

"ان کے پاس ان کی طرف بھیجے گئے پیغمبر کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔"

انبیاء علیہم السلام تقلید کی نہیں علم کی دعوت دیتے تھے

انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو اپنی "تقلید" کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ تھا:۔

﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ (آل عمران۔ ۷۹).

"سب اللہ والے بن جاؤ کہ تم اس کی کتاب دوسروں کو سکھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو۔"

انبیاء علیہم السلام کی دعوت، تعلیم و تعلم، فکروتدبر کی دعوت تھی اور ان پر نازل

ہونے والی ہر آیت عقل و بصیرت کا خزانہ حضرت موسیٰ علیہم السلام نے فرعون سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ﴾

(الاسراء۔۱۰۲)

”تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ ان نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا اور ان کے نزول سے مقصود تمہیں بصیرت سے آشنا کرنا ہے۔“

قرآن حکیم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:۔

﴿هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف۔۲۰۳)

”یہ قرآن تمہارے پروردگار کی جانب سے سامان دانش و بصیرت ہے اور مومنوں کے لئے سراسر ہدایت و رحمت ہے۔“

انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے فیض یاب ہونے والے خوش نصیب

انبیاء علیہم السلام کی دعوت بلا امتیاز تمام انسانوں کے لئے تھی' تاہم ان گنجینہ ہائے ہدایت و حکمت سے فض یاب ہونے والے' اس نور بصیرت سے مستفید ہونے والے صرف وہ خوش نصیب تھے جنہیں رحمت باری تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے منتخب فرما لیا تھا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ○ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَكَذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾(ھود۔۱۱۸'۱۱۹)

”اور وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر پروردگار رحم فرمائے' اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں (سب سے) بھر دوں گا۔“

اس اختلاف کے نتیجہ میں انسانوں کے دو گروہ بن گئے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنْ اُعْبُدُوا اللَّهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ (النحل۔۲۶)

"اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر مبعوث کیا (یہ پیغام دے کر کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو پھر ان میں بعض ایسے ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا اور بعض ایسے ہوئے کہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی، سو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔"

رسولوں پر ایمان کے فیوض و برکات

ہدایت نصیب گروہ وہ تھا جو ایمان سے بہرہ ور ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (البقرہ۔۲۱۳)

"دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے (ان میں اختلاف ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں سنانے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر مبعوث کیا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر میں فیصلہ ہو جائے کتاب میں صاف احکام آجانے کے بعد لوگوں نے جن کو وہ دی گئی تھی جھگڑا کرنا شروع کر دیا اور یہ صرف ضد اور عناد کے سبب ہوا، اس اختلاف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق کی طرف ہدایت عطا کی اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ (یونس۔ ۹)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کا پروردگار ان کے ایمان کی بدولت ہدایت عطا فرماتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ (التغابن۔ ۱۱)

''اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا۔''

انبیاء ورسل کی غیر مشروط اطاعت اصل ایمان ہے

اور مومن وہ ہوتے ہیں جو انبیاء ورسل کی غیر مشروط اطاعت کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَ رَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا وَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (النور۔ ۵۱)

مومنوں کی تو بات صرف یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تاکہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور ہم نے مان لیا۔''

نیز فرمایا:

﴿فَلا وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًاO وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِاخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلاَّ قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَ أَشَدَّ

تَثْبِيتًاO وَ إِذًا الآ تَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًاO وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًاO (النساء۔ ٦٥، ٦٦، ٦٧، ٦٨)

"تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں تاوقتیکہ تمہیں اپنے تمام تنازعات میں منصف بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے دل میں تنگ نہ ہوں اور بخوشی مان لیں اور اگر ہم ان پر اپنے آپ کو قتل کرنا یا اپنے گھروں سے نکل جانا فرض کر دیتے تو ان میں تھوڑے ہی یہ حکم بجا لاتے اور اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور دین میں ان کی مزید ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجر عظیم عطا فرماتے اور سیدھی راہ کی طرف انہیں ہدایت عطا کرتے۔"

ایمان کی سعادت سے محرومی کے اسباب

۱۔ غرورِ علم ۲۔ تقلید آباء

انبیاء و مرسلین پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم گروہ دو طرح کے افراد پر مشتمل تھا:

مغرورین علم:۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو غرور علم میں اس طرح غرق اور اپنی جہالت پر اس حد تک نازاں تھے کہ خود کو کسی قسم کی رہنمائی سے مستغنی سمجھتے تھے وہ اپنی فطری پستی اور کوتاہ نظری کے سبب اپنے مزعومہ علوم و معارف پر اس قدر نازاں تھے کہ انہوں نے علوم نبوت اور ان کے معارف و حکم میں غور و فکر نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (المؤمن۔ ۸۳)

"پھر جب ان کے پیغمبر ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے اپنے خیال میں ان کے پاس تھا۔"

یہ لوگ پندار کی اس چوٹی پر پہنچ گئے جو ندائے حق کے دائرہ تاثیر سے باہر تھی :-

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَ فِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ﴾ (حم السجدة ـ ٥)

"اور کہا کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو سو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں-"

مقلدین آباءواجداد :- دوسرا گروہ ایسا تھا جس نے خود کو اکابر پرستی کے حصار میں محصور کر لیا' جمود و تقلید ان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر گئی کہ انہوں نے حقائق و دلائل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اپنے آباءواجداد کے نظریات اور قیل و قال کو حرف آخر سمجھا' اور اس کے مقابل ہر حقیقت کو جھٹلا دیا-

جیسا کہ فرمایا :

﴿مَالَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلاَّ يَخْرُصُونَ○ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ○ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَ نَا عَلَى أُمَّةٍ وَ إِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ○ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلاَّ قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَ نَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ○ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَائَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾

(الزخرف ـ ۲۰'۲۱'۲۲'۲۳'۲۴)

"انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں وہ تو صرف اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ؟ کہ وہ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں' وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درست جا رہے ہیں' اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے جو ڈرانے والا کسی بستی میں بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا ہم

نے باپ دادوں کو ایک دین پر دیکھا ہے اور ہم انہی کی اقتداء کرتے رہیں گے' رسول نے (ازراہ فہمائش) کہا اگرچہ میں تمہارے پاس وہ چیز لاؤں جو ہدایت میں اس سے بڑھ کر ہو جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا' وہ بولے ہم اس پیغام کے منکر ہیں جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا۔"

وحی الٰہی پر مبنی اور توفیق ربانی سے نصرت و تایید یافتہ علوم نبوت کے مقابلہ میں معاندین کے مزعومہ علوم و فنون کی حیثیت ہمیشہ وہی رہی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ کے سامنے فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں کی ظاہر ہوئی' انبیاء و رسل علیہم السلام کے بصیرت افروز دلائل کے نیر تاباں کے سامنے تقلید کی شب دیجور ٹھہر سکتی تھی نہ ٹھہری' اس قسم کی آویزش کا نتیجہ محتوم و معلوم ہی رہا' ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (الصفت۔ ۱۷۱'۱۷۲'۱۷۳)

"ہمارا پیغام پہنچانے والوں سے ہمارا پیشگی وعدہ ہے کہ وہی مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارے لشکر ہی غالب رہیں گے۔"

چنانچہ انسانی تاریخ کا ایک ایک ورق شاہد ناطق ہے کہ نبوت اور علوم نبوت کے مقابل آنے والے:۔

﴿جُندٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ﴾

(یہ بھی ایک لشکر ہے جہاں اور لشکروں نے شکست کھائی ہے یہ بھی ہزیمت نصیب ہے)

کی تفسیر بن کر رہ گئے' نمرود اپنی تمام تر کج بحثی اور چالاکی کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بصیرت آفرین دلائل کے سامنے مبہوت ہوا تو فرعون اپنی فرعونیت اور لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرقاب ہو کر سامان عبرت بنا' سلسلۂ نبوت و رسالت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کمال کو پہنچا' اور حضور ختمی مرتبت پر یہ

نعمت اس شان سے پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا :-

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا﴾ (الفتح۔۲۸)

”وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔“

کعبہ میں گاڑے گئے پتھر کے بتوں کو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ہٹایا اور دل و دماغ کے جھروکوں میں بٹھائے گئے غلو اور اوہام پرستی کے بتوں کو اپنی نورانی تعلیمات سے پاش پاش کیا اور اعلان فرمادیا :-

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (الإسراء۔۸۱)

”حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا بے شک باطل نابود ہونے والی چیز ہے۔“

اور دین حق کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے والا ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اپنی زبان سے اعلان کرنے پر مجبور ہو

لعمرك إني يوم أحمل رايتي　　لتغلب خيل اللات خيل محمد

لكا لمدلج الحيران أظلم ليله　　فهذا أوانى حين أهدى فأهتدى

”قسم ہے میں جن دنوں جھنڈا اٹھائے پھرتا تھا کہ لات کا لشکر محمد ﷺ کے شہسواروں پر غالب آجائے اندھیری رات کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والے بھٹکے ہوئے پریشان کی مانند تھا' اب وقت آگیا ہے کہ مجھے ہدایت نصیب ہو اور میں سیدھے راستے پر آجاؤں۔“

اسلام دین قیم' اور حق تغیر نا آشنا ہے

نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ پر مکمل ہوا تو دعوت حق کا علم علوم نبوت کے حاملین اور سنت مطہرہ کے عاملین کے سپرد ہوا اور شہادت حق ان کا وظیفہ و شرف ٹھہرا۔

لیکن دعوت کے مضمون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ اس کے اسلوب میں

کوئی ترمیم کی گئی اس لئے کہ حق تغیر نا آشنا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

(الروم - ۳۰)

تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کئے رہو' اللہ کی پیدا کی ہوئی اس چیز میں تغیر و تبدل روا نہیں' یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے -"

دعوت اسلام کی بنیاد بصیرت و تعقل پر ہے تقلید پر نہیں

دعوت کی بنیاد بصیرت اور تعقل پر تھی اور اسی پر رہی ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنْ اتَّبَعَنِي﴾

(یوسف - ۱۰۸)

"(اے نبی) کہہ دو میری راہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں از روئے یقین و برہان' سمجھ بوجھ کر میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی -"

اختلاف رونما ہونے کی صورت میں مرجع و فیصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی رہے چنانچہ ارشاد ہوا :

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾ (النساء - ۵۹)

"پھر اگر کسی شئے میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لے جاؤ' اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے -"

استفتاء کے آداب

ناواقف اور بے علم لوگوں کا علماء کی طرف رجوع کرنا طبعی اور فطری امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فإنما شفاء العی السؤال" (أحمد' ابوداؤد) "یعنی ناواقفی اور جہالت کا مداوا پوچھ لینے میں ہے" تاہم اہل علم سے استفادہ کرنے والوں کو استفتاء کے آداب سکھاتے ہوئے بتادیا گیا کہ سوال کا انداز کیا ہونا چاہئے اور کس قسم کے جواب میں تشفی کا سامان ہوتا ہے ارشاد فرمایا:-

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ ○ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ﴾

(النحل۔۴۳)

"اگر تم دلائل کا علم نہیں رکھتے تو ان کے متعلق علماء سے سوال کرو۔"

قطعی نصوص کے بالمقابل اندھا دھند تقلید شرک اور کفر کا راستہ ہے

"بینات اور زبر" سے ہٹ کر بے بنیاد آراء الرجال کی محض عقیدت کی بنا پر اندھا دھند تقلید کو شرک اور کفر بتایا گیا' یہود و نصاریٰ کی فرد جرم بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (توبۃ۔۳۱)

"انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا معبود بنالیا"

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی دعوت کا بیڑہ اٹھانے والوں اور ان کی غیر مشروط اطاعت کرنے والوں کو اس ایمان اور فرمانبرداری کی بدولت کئی نعمتوں سے وافر حصہ ملا۔

۱۔ ہدایت واستقامت: چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے اسوہ کاملہ کی مکمل اتباع اور مشکوٰۃ نبوت سے کسب انوار کی بدولت انہیں زیغ و زلل کا کھٹکا ہی نہ رہا بلکہ قرآن نے ان کے ہادی و مہتدی ہونے کی ضمانت بھی دی۔ وکفی باللہ شہیدا۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے :-

﴿وَ إِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور۔٥٤)

"اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پر ہو گے۔"

نیز فرمایا :-

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَ يُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ كَلِمَاتِهِ وَ اتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (الأعراف۔١٥٨)

"کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تاکہ ہدایت پالو۔"

۲۔رحمت :

رسول اکرم ﷺ کا وجود مسعود سراسر رحمت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء۔١٠٧)

"اے پیغمبر ہم نے تجھ کو سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

"إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ" (الدارمی)

"یعنی میں مجسم رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو بطور ہدیہ دی گئی۔"

تاہم رحمت مجسم ﷺ سے کامل طور پر مستفید ہونے کا شرف اور رحمت الٰہی کا بجا طور پر امیدوار اور مستحق ہونا صرف اس مقدس گروہ کی قسمت میں لکھا گیا جو اطاعت

رسول ﷺ کا دم بھرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران۔۱۳۲)

"اور اللہ اور رسول ﷺ کی فرمان برداری کرو اس امید میں کہ تم پر رحمت ہو۔"

نیز فرمایا :

﴿وَ أَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (النور۔۵۶)

"نماز کی پابندی کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔"

۳-فتح ونصرت :

دعوت حق میں انبیاء علیہ السلام کے اسلوب و منہج سے کامل وابستگی کی بدولت انہیں تایید ایزدی سے نوازا گیا اور ہمیشہ فتح مبین ان کا مقدر رہی' ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ﴾ (الصف۔۱۴)

"اور ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں نصرت و تایید سے نوازا اور وہ غالب ہو گئے۔"

الصادق المصدوق ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے انہیں مظفر و منصور رہنے کی بشارت دی گئی ارشاد ہوا :-

"لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَوَّامَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لاَ يَضُرُّهَا مَنْ خَالَفَهَا"

(ابن ماجه)

"میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی جو حکم الٰہی پر سختی سے قائم ہو گی اس کی مخالفت کرنے والے اسے کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔"

یہ بشارت ان الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہے :-

"لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لاَ يَضُرُّهُمْ خُذْلاَنُ مَنْ خَذَلَهُمْ

حَتَّی تَقُومَ السَّاعَةُ" (ابن ماجة ' ابن حبان)

"میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جسے اللہ کی نصرت حاصل ہو گی ان کا ساتھ چھوڑنے والے ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ قیامت قائم ہو جائے۔"

اور کبھی یوں فرمایا :۔

"**لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ**" (صحیح مسلم)

"میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم ہو گا اور ہمیشہ غالب رہے گا' ان کا ساتھ چھوڑنے والے ان کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ حکم الٰہی (روز قیامت) آجائے گا اور وہ اسی حالت میں ہوں گے۔"

اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں

نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی یہ پیشین گوئی جس میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلہ کی اطلاع دی گئی حرف بحرف پوری ہوئی اور اس شان سے پوری ہوئی کہ اس جماعت کے بارے میں کبھی التباس و خفا اور کسی قسم کا ابہام نہیں رہا' بلکہ یہ جماعت مبارکہ لیلۃ البدر کے چاند اور نصف النہار کے سورج سے بھی زیادہ ظاہر رہی' عبداللہ بن مبارکؒ جیسے زاہد و مجاہد' یزید بن ہارون جیسے ثقہ محدث اور علی بن مدینی جیسے ماہرین فن حدیث اور امام بخاری جیسے نابغہ زمان متفق اللسان ہیں کہ یہ مظفر و منصور اور فتح نصیب جماعت اہل حدیث ہی ہیں۔(ملاحظہ ہو شرف اصحاب الحدیث صفحہ ۴۱ومابعدہ)

اس موفق و مبارک جماعت کے ایک ایک فرد نے دین حق کے مخالفین اور جادہ حق سے انحراف کرنے والوں کے لشکر تاراج کر دیئے' امام اہل سنۃ والجماعۃ ابو عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تن تنہا تجہم و اعتزال کی قوتوں کو اس وقت شکست فاش دی جب ان کو عباسی سلطنت اور اس کی تمام تر سطوت و شوکت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی' امام موصوف نے جس استقامت سے یہ جنگ لڑی وہ تاریخ

دعوت و عزیمت کا سنہری باب ہے' ان کے جسم مبارک پر لگنے والا ہر کوڑا ظن و تخمین پر مبنی اصول و قواعد کے بت تراشنے والوں اور کتاب و سنت کی نصوص کو حیلوں بہانوں سے پس پشت ڈالنے والوں کی منحوس و نامبارک تحریک کے تابوت میں کیل بن گیا۔

امام المؤمنین' و امام الدنیا فی الحدیث' فقہاء محدثین کے سرخیل' ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف شریف "الجامع الصحیح المختصر من أمور رسول الله ﷺ و سننه و أيامه" واصح الکتب بعد کتاب اللہ کا اعزاز پا کر امت کی پیشانی کا جھومر بن چکی ہے محض ایک کتاب نہیں' وہ تشنگان علوم سنت کے لئے چشمہ تسنیم و سلسبیل ہے تو خیر الھدی اور اسوۂ حسنہ کی راہ کے سالکوں کے لیے منار السبیل ہے اور اجتہاد کو آئمہ اربعہ میں مقصود و محدود قرار دے کر امت محمدیہ علی سیدھا الصلوٰۃ والسلام پر علمی بانجھ پن کی تہمت لگانے والوں کے مقابلہ میں مسکت دلیل اور فتنوں کے سیل یاجوج ماجوج کے سامنے سد سکندری ہے جس کے ساتھ تفریق فی الدین کی مذموم سازش' شریعت میں رخنہ اندازی کی کوشش' دلدادگان تاویل و تحریف کی شوریدہ سری اور تقلید جامد اور مذاہب کی حمیت جاہلیت کے فتنے رہتی دنیا تک اپنا سر پھوڑتے رہیں گے۔

بعد کے زمانوں میں بھی اسی مبارک جماعت کے سرکردہ علماء و فقہاء تجدید و احیاء دین کا فریضہ انجام دیتے رہے' امام احمد بن حنبلؒ نے اسی نعمت و توفیق کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا ہے:

"الحمدلله الذی جعل فی کل زمان فترة من الرسل بقایا من أهل العلم يدعون من ضل إلى الهدى و يصبرون منهم على الأذى يحيون بكتاب الله عزوجل الموتى و يبصرون بنور الله أهل العمى فكم من قتيل لإبليس قد احيوه و كم من ضال تائه قد هدوه فما أحسن أثرهم على الناس و أقبح أثر الناس عليهم' ينفون عن كتاب الله تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تأويل

الجاهلين" (الرد علی الجهمية)

"اللہ کا شکر ہے جس نے رسولوں میں وقفہ کے دوران ہمیشہ ایسے اہل علم پیدا فرمائے جو گمراہوں کو راہ ہدایت کی طرف دعوت دیتے رہے اور ان کی ایذا رسانیوں کے باوصف صبر کا مظاہرہ کرتے رہے' کتاب اللہ کے علوم کے ذریعہ مردہ دلوں کی حیات کا سامان کرتے رہے اور اللہ کے نازل کردہ نور شریعت کے ذریعہ اندھوں کو بصارت دیتے رہے' ابلیس کے کتنے ہی مارے ہوؤں کو انہوں نے زندہ کیا' اور کتنے ہی بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے راہ راست دکھلائی ان کا لوگوں پر کتنا اچھا اثر ہے اور لوگوں کا ان سے رویہ کس قدر برا ہے ؟ یہی لوگ ہیں جو غالیوں کی تحریف' باطل پرستوں کی دروغ بافی اور جاہلوں کی ہیرا پھیری سے کتاب اللہ کو محفوظ و مامون رکھتے ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تجدیدی کارنامے

چنانچہ ساتویں صدی ہجری میں جب اعتقادی بدعات نے انگڑائی لی' رفض و اعتزال نے پھر سے سر اٹھایا اور مذہبی عصبیت اور تقلید و جمود نے بھی اپنا رنگ جمایا تو اس پر آشوب دور میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے علوم کتاب و سنت کی شمع جلائی اور وہ اس شان سے میدان میں اترے کہ ان کا قلم اس جنگ میں تلوار ہو گیا انہوں نے ایک ایک فتنے کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا' ان حضرات کے یہ کارنامے کسی شہادت کے محتاج نہیں' بلکہ :

آفتاب آمد دلیل آفتاب

کے مصداق اور روز روشن کی طرح آشکار ہیں' حافظ ابن قیم نے کیا خوب فرمایا ہے :

و إذا اردت ترى مصارع من خلا   من أمة التعطيل و الكفران

و تراهم اسرى حقير شأنهم   أيديهم غلت إلى الأذقان

و تراهم تحت الرماح دريئة　　ما فيهم من فارس طعان

و تراهم تحت السيوف تنوشهم　　من عن شمائلهم و عن أيمان

و تراهم والله ضحكة ساخر　　و لطالما سخروا من الإيمان

فاقرأ تصانيف الإمام حقيقة　　شيخ الوجود العالم الربانی

اعني أبا العباس أحمد ذلك　　البحر المحيط لسائر الخلجان

اگر کبھی تمہارے دل میں اہل کفر و تعطیل کے کشتوں کے پشتے دیکھنے کی خواہش پیدا ہو اور ان کے سرداروں کو ذلیل و خوار' زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھنا چاہو اور انہیں سپاہ اسلام کے نیزوں کی انیوں کے سامنے بے بس و لاچار دیکھنے کی تمنا رکھتے ہو اور دائیں بائیں سے اہل حق کی شمشیروں کے سامنے گھرے ہوئے نخچیر کی طرح دیکھنا چاہتے ہو اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق اڑانے والوں کو خود تماشا بنے ہوئے دیکھنا پسند کرو تو امام برحق' شیخ الوجود' عالم ربانی ابوالعباس احمد بن تیمیہ کی تصانیف کا مطالعہ کرو' وہی بحر بے کراں جو سب دریاؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اس مقدس جماعت کے چودہ صدیوں پر محیط اور مسلسل کارناموں کا استقصاء مقصود ہے اور نہ ممکن' اس وقت صرف یہ ذکر کرنا پیش نظر ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اہل حدیث ہی وہ مسعود و پاکباز گروہ ہے جس نے ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق دین حنیف کی خدمت انجام دی حفظ و تدوین حدیث کا مرحلہ ہو' یا فہم نصوص اور اصول فقہ و اجتہاد کی تشکیل و ترتیب کا' بیرونی حملوں سے کشور اسلام کے دفاع کا معاملہ ہو یا اندرونی شورش سے نمٹنے کا' ہر مقام پر اس جماعت نے اپنا فریضہ پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بطریق احسن اس سے عہدہ برآ ہوئی' اور ہدایت' رحمت اور نصرت کی مستحق ٹھہری۔

علوم نبوت کی وارث اور دعوت ختم الرسل ﷺ کی امین و علمبردار اس جماعت کی مخالفت بھی انہیں خطوط پر ہوئی جن پر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوئی تھی۔

اہل حدیث کے مخالفین کے دو گروہ

ایک گروہ خانہ ساز قواعد کو قطعی دلائل قرار دیتا اور پھر نصوص کتاب و سنت کو ان سے متصادم قرار دیتا ہے' تاویل کے نام پر تحریف سے بھی کام نہ بنتا تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ آیات واحادیث کو ٹھکرا دیتا۔

تو دوسرا گروہ

﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا﴾

''ہم تو انہی باتوں پر چلیں گے جن پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو چلتے ہوئے پایا۔''

کی ہٹ پر قائم رہنے ہی کو سب سے بڑی دلیل اور فلاح فی الدارین کی شہ کلید باور کئے ہوئے تھا۔

جب نقشہ قدیم تھا تو نتیجہ مختلف نہیں ہو سکتا تھا حقائق کے سورج کے سامنے تکبر نخوت' جہالت پر غرور اور تقلید و جمود کی شب دیجور کیسے ٹھہر سکتی تھی' ہزیمت ان کا مقدر بن گئی' آئمہ مجتہدین کے نام پر امت کو تقسیم کرنے والے بہت سے فقہاء شعوری یا غیر شعوری طور پر ان درآمدی نظریات سے متاثر تھے ان کا تاثر مذاہب کے اصول فقہ کی وساطت سے فروغ تک جا پہنچا اس لئے یہ گروہ بھی ان گمراہ فرقوں کے قائم کردہ مفروضوں سے تاثر کے تناسب سے ہدایت' رحمت اور نصرت سے دور اور محروم ہی رہے :۔

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلاً﴾

(الأحزاب۔ ٦٢)

''ان سے اگلے لوگوں میں اللہ کا یہی دستور رہا اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز ردوبدل نہ پاؤ گے۔''

اگر کسی نے ان کی غلط روش پر متنبہ کرتے ہوئے انہیں راہ راست دکھانے کی کوشش کی تو یہ :

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَ إِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ﴾ (الزخرف۔ ۲۲)

''ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی ان کے کے نقش قدم پر درست جارہے ہیں'' کہہ کر اپنی گمراہی پر مصر رہے۔

مقلدین کی خوش فہمی اور خود فریبی

اگر انہیں کتاب و سنت کی طرف رجوع کر کے امت کا شیرازہ متحد کرنے اور رحمت الٰہی کا مستحق بننے کی دعوت دی گئی تو یہ لوگ اختلاف ہی کو باعث رحمت ثابت کرنے لگتے ہیں اور اس باب میں ''اختلاف أمتي رحمة'' کے خانے ساز جملے کو غلط طور پر حدیث رسول ﷺ مشہور کرنے لگے اور جب استدلال کے میدان میں منہ کی کھائی تو شکست کے زخم مندمل کرنے اور وابستگان دامان تقلید کا احساس ہزیمت مٹانے اور اپنے گروہ کی برتری ثابت کرنے کے لئے من گھڑت داستانیں مشہور کیں اور کبھی ایسے معرکوں کی روداد بیان کی جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئے اور کبھی واقعات کو توڑ مروڑ کر شکست کو فتح کا نام دینے کی کوشش کی' اگر ان سب باتوں کی مثال یکجا دیکھنا ہو تو خود کو حنفی کہلانے والے حضرات کو دیکھ لیجئے کہ :

یار ما ایں دارد و آں نیزهم

امام ابو حنیفہؒ کی فقہی مجلس کا شوشہ

افسانہ طرازی کا یہ سلسلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی پارلیمنٹ کے شوشے سے شروع ہوا' حنفی مذہب کے ان نادان دوستوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اس طرح سے وہ اپنے گراں قدر آئمہ کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کر پائیں گے کیونکہ فقہ حنفی کے اصول و فروع پر نگاہ ڈالے بغیر کوئی شخص اس حکایت پر ایمان بالغیب لے آئے تو اور بات ہے ورنہ جس کسی نے اس فقہی عجائب خانہ کو سرسری نظر سے بھی دیکھا آئمہ مذہب کے بارہ میں حسن ظن کی دولت سے ہاتھ دھوئے بغیر نہ رہ سکے گا بلکہ اسے مقدور ہو تو اس مزعومہ مجلس شوریٰ کے ہر مبینہ رکن عالی مقام سے پوچھے گا۔

یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا؟

اس کے بعد داستان سراؤں نے امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مابین رفع الیدین کے موضوع پر ایک مناظرہ کی روداد تصنیف کر ڈالی جس کا ایک ایک لفظ اسے گھڑنے والے کی دروغ بافی پر شاہد ہے' امام صاحبؒ کے منہ سے جو الفاظ اس داستان گو نے نکلوائے ہیں سنت نبوی کے تشریعی مقام اور اس کی عظمت واہمیت کا ادنیٰ شعور رکھنے والا کوئی شخص انہیں زبان پر لانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

افسوس ہے کہ حضرات مقلدین فرط تعصب میں اس حکایت کو فخریہ بیان کرتے چلے آتے ہیں' حالانکہ اس میں حضرت امام صاحبؒ کا جو رویہ پیش کیا گیا ہے وہ ان کے مقام و مرتبہ' نیز علمی مسائل میں گفتگو کے آداب اور وقار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

علماء کرام نے ان افسانوں اور داستانوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے تاہم تائید مذہب بذریعہ حکایات کی محنت جاری رکھنے والوں نے بھی ہمت نہیں ہاری... یہ سلسلہ ھنوز جاری ہے ہمارے زمانے میں قرعہ فال مولانا ظفر احمد تھانوی کے نام نکلا انہوں نے ایک نوجوان کا قصہ تحریر فرمایا ہے جو سہارن پور کے مدرسہ حنفیت کا فیض یافتہ تھا لیکن کسی کی نظر بد لگنے سے اہل حدیث ہو گیا تھا' پھر مولانا کی تدبیر بلکہ تقریر دلپذیر کی برکت سے دوبارہ مشرف بہ حنفیت و تقلید ہو گیا۔

پورا قصہ پڑھ کر بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ مولانا کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں پورا مضمون اول سے آخر تک احساس شکست کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں' اگر انہیں حنفیت کے پائے چوبیں کو باتمکین ثابت کرنے کے لئے واقعی کچھ دلائل میسر آہی گئے تھے تو ان سوالوں کے جوابات مرحمت فرمانے کی زحمت گوارا کرتے جن کے جواب میں امام محمد بن حسن الشیبانی کو امام شافعیؒ کے سامنے ساکت پانی کی طرح خاموش ہونا پڑا تھا' اعلام الموقعین کے اصولی و فروعی مباحث صدیوں سے مقلدین اور تعصب مذہبی کے مبلغین کو مبارزت طلب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں' لیکن کسی کو آنکھ

اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی معیار الحق اور الارشاد میں اٹھائے گئے سوالات کب سے تشنۂ جواب ہیں اور پوری امت تقلید دم بخود اور مبہوت ہے' مولانا نے ہمت فرمائی بھی تو قرض چکانے کی بجائے اپنے خود ساختہ تلمیذ کا قصہ اس انداز سے سنانا شروع کیا کہ ؎

خود ہی قاتل خود ہی شاہد' خود ہی منصف

بن کر بیٹھ گئے۔

اس حکایت کو مکمل طور پر مبنی بر حقیقت بھی فرض کر لیا جائے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد بے چارہ ؎

سر گشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

اور حدیث عہد بالحنفیہ ہونے کے باعث سہارنپوری اثرات سے پوری طرح نجات نہ پا سکا تھا' اور اسے قرآن کے متعلق حنفیہ کے اساطین اسلاف و اخلاف کی روش کا ادراک نہ تھا' سادگی یا خوش عقیدگی کی بنا پر یہ باور کئے ہوئے تھا کہ اہل حدیث کا اختلاف صرف عمل بالحدیث الصحیح تک محدود ہے اور اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ احناف کا اختلاف کا عقیدہ و عمل قرآن کے متعلق بھی حدیث نبوی کے بارے میں ان کے طرز عمل سے مختلف نہیں بلکہ اس میں بھی ان کی روش علماء اہل کتاب کے مشابہ ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

﴿أفتؤمنون ببعض الكتاب و تكفرون ببعض﴾

''کیا کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔''

اور

﴿إن يتبعون إلا الظن و ما تهوى الأنفس﴾

''وہ تو صرف اپنے اٹکل اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔''

یہی ان کا وطیرہ ہے۔

کیا ارشاد فرمایا؟ کہ ''اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے'' اگر وہاں سچ مچ اہل

حدیث طالب علم ہوتا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکتا :ؔ

لا تبهتوا أهل الحديث فما به　　ذا قولهم تبا لذی البهتان

''اہل حدیث پر تہمت طرازی نہ کرو کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو ان کا قول نہیں ہے' ناس ہو بہتان طراز کا''

اہل حدیث پر ناحق زبان طعن دراز کرنے کے شوق میں حضرت کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ قرآن تو احسن الحدیث ہے' یہ کیسے ممکن ہے کہ اہل الحدیث کا مرجع اول نہ ہو' اہل الحدیث والسنہ کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو بھی وحی سمجھتے ہیں اس لئے کہ قرآن فرماتا ہے :

﴿وما ينطق عن الهوىO إن هو إلا وحي يوحى﴾ (النجم۔۳'۴)

''وہ نبی ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتا' یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔''

سنت رسول ﷺ کی محبت واتباع نے ان کے سینے اس قدر منور کر دیئے ہیں کہ جس جس مقام پر اہل زیغ و زلل کو قرآن و سنت متعارض نظر آتے ہیں یہ حضرات انفاس رسول ﷺ کی برکت سے دونوں کی مطابقت کا علم یقین حاصل کر کے ایمان کو قوی کرتے ہیں سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :۔

﴿والراسخون في العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا و ما يذكر إلا أولوا الألباب﴾ (آل عمران۔۷)

''جو پکے عالم ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے' اور عقل والوں کے سوا لوگ سمجھانے سے نہیں سمجھتے۔''

نیز فرمایا :

﴿وليعلم الذين أوتوا العلم أنه الحق من ربك فيؤمنوا به فتخبت له قلوبهم و إن الله لهاد الذين آمنوا إلى صراط مستقيم﴾ (الحج ۵۴)

''اور اس لئے کہ اہل علم یقین کر لیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب ہی کی

طرف سے حق ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں' یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔"

قرآن وسنت میں تعارض ناممکن ہے

اس بات پر ایمان لانے کے بعد کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغامبر ہیں' ان کے فرامین مبنی بروحی الٰہی ہیں' قرآن وسنت میں ٹکراؤ چہ معنی دارد۔

اس مسئلہ میں اہل حدیث کا موقف واضح اور دوٹوک ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

"فمن قبل عن رسول اللهﷺ فعن الله قبل لما افترض الله من طاعته فيجمع القبول لما في كتاب الله و سنة رسول اللهﷺ القبول لكل واحد منهما عن الله و إن تفرقت فروع الأسباب الى قبل بها عنهما كما أحل و حرم و فرض و حد بأسباب متفرقة كما شاء جل ثناؤه لا يسال عما يفعل وهم يسئلون" (الرسالة ۳۳)

"جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا اس لئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے' اس اعتبار سے عمل کتاب اللہ پر ہو یا رسول اللہ ﷺ کی سنت پر' منبع ایک ہونے کے سبب سے فرمانبرداری اللہ کی ہی ہوتی ہے اگرچہ اس کا ہم تک پہنچنے کا ذریعہ الگ الگ ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے حلت' حرمت' فرائض اور حدود بیان کرنے کے لئے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف طریقے اختیار فرمائے رب ذوالجلال والاکرام سے پوچھا نہیں جا سکتا (کہ اس نے یہ طریقہ اختیار کیوں کیا اور دوسرا کیوں نہیں کیا) البتہ مخلوق سے سوال ہو گا کہ اس نے کہاں تک فرمانبرداری کی اور اطاعت شعاری کا مظاہرہ کیا"

سادات حنفیہ پر یہ امر تو مخفی نہیں ہوگا کہ :

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر۔۷)

''اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔''

اور

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (التغابن۔۱۲)

''اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ ﷺ کا''

اور

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء)

''جس کسی نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے در حقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی''

قرآن کی ہی آیات ہیں' لہذا قرآن پر عمل ایک چیز ہے اور قرآن پر عمل کا دعوی کرتے ہوئے سنن صحیحہ و معروفہ کو قرآن سے متصادم قرار دے کر رد کر دینا اس سے الگ اور مختلف چیز ہے ان میں سے پہلی اہل حدیث کا طرہ امتیاز ہے اور دوسری اہل تقلید کا شیوہ

(وشتَّانَ بَيْنَ مُشرَّق و مُغرَّب)

اہل حدیث اپنی اس روش پر قائم رہنے کے لئے اپنے ایمان کے ہاتھوں مجبور ہیں' لوگوں کے طعن و تشنیع اور تنابز بالالقاب کی انہیں کیا پرواہ ؟ ان کے لئے اللہ رب العالمین کی جانب سے ملنے والی بشارت کافی ہے :

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء۔۱۵۲)

''اور جو لوگ اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کوئی فرق نہ کیا ان کو عنقریب اللہ ان کا انعام عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرات مقلدین اپنے جس طرز عمل کو عمل بالقرآن قرار دے کر فخور و مغرور ہیں، جہمیہ، معتزلہ، اور خوارج کی زلہ خواری کے سوا کچھ نہیں اور ان اصول و ضوابط کی حیثیت خوئے بد کے بہانہ ہائے بسیار سے زیادہ نہیں، ان تمام گمراہ اور بدعتی گروہوں کے تمام امتیازی مسائل کی بناء فاسد یہی قاعدہ تو ہے چنانچہ جہمیہ نے صفات باری تعالیٰ پر مشتمل صحیح ترین احادیث کو

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

"اس جیسی کوئی چیز نہیں"

سے متصادم قرار دیا اور رد کر دیا، معتزلہ نے تقدر کا انکار کرنے کے لئے یہی عذر لنگ تراشا کہ وہ تمام احادیث جن میں تقدیر کا بیان ہے اس آیت :-

﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾

"اور تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا"

سے متعارض ہیں-

خوارج اور معتزلہ نے حضور رحمت عالم ﷺ کی شفاعت اور اس کی بدولت گناہ گار مسلمانوں کے جہنم سے نجات پا لینے کا انکار کر دیا، ان کے زعم میں اس مضمون کی تمام احادیث آیات قرآنی:

﴿وَمَاهُمْ بِخَارِجِينَ مِنْ النَّارِ﴾ (بقرہ۔۱۶۷)

"اور وہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں"

اور

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلْ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾

(آل عمران۔۱۹۲)

"اے ہمارے پروردگار جسے تو نے دوزخ میں ڈالا اس کو تو نے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں-"

کے خلاف ہیں، لہذا نا قابل اعتماد ہیں-

یہی اصول بشر مریسی[1] اور قاضی عیسیٰ بن ابان[2] جیسے سنت واہل سنت کے اعداء کی وساطت سے کشور حنفیت کے دستور کی بنیاد بنے، جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ حضرات متواتر اور مشہور احادیث رد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن پر عمل ہو رہا ہے :

﴿وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾

قرآن اللہ تعالیٰ کا پیغام ہدایت ورحمت ہے، اس پر عمل کی توفیق حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے جو غیر مشروط طور پر اطاعت رسول ﷺ کرنے والوں کے لئے خاص ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور۔٥٤)

''اگر اس کی فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پاؤ گے''

نیز فرمایا :

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران۔١٣٢)

''اور اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔''

نیز فرمایا :

وَ رَحْمَتِي وَ سِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ○ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ

---

[1] بشر بن غیاث مریسی متوفی ۲۱۰ھ امام ابوحنیفہ سے کسب فیض کرنے کے بعد امام ابویوسف کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے ان کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، متعصب معتزلی تھے اور علم کلام کے دلدادہ، بلکہ اس قدر غالی کہ بعض علماء اہل سنت نے انہیں زندیق قرار دیا، عقیدۂ خلق قرآن کے سختی سے قائل تھے۔(الفوائد الھیہ ص ۴۱)

[2] قاضی عیسیٰ ابن ابان متوفی ۲۲۱ھ امام حسن ابن زیاد اور امام محمد سے علم فقہ کی تحصیل کی، مامون کے خاص مصاحبوں میں سے تھے، امام احمد بن حنبلؒ کے ابتلا کے پس منظر میں کافی حد تک ان کی مساعی کارفرما تھیں۔(الفوائد الھیہ ص ۱۵۱)

عَلَيْهِمُ الْخَبائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ التِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَ عَزَّرُوهُ وَ نَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ (الأعراف۔١٥٦'١٥٧)

''میری رحمت ہر شئے کو شامل ہے اور اب میں اپنی رحمت خاص ان لوگوں کے حق میں لکھ دوں گا جو تقوی اختیار کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں' جو لوگ اس رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال بتاتا ہے اور بری چیزیں ان کے لئے حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان پر تھے اتارتا ہے' تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت اختیار کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہدایت نشان واضح طور پر معلوم ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کرنا باعث انعام نہیں ہو سکتا ایسا کرنے والے سے توفیق چھین لی جاتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِهِ مَا تَوَلَّى﴾ (النساء۔١١٥)

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہو جانے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستہ پر چلے گا ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے۔''

اور توفیق الٰہی سے محروم لوگ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس پر عمل کر پاتے ہیں بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے دور بھٹکتے رہ جاتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (الأعراف۔١٤٥)

"اور جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیرے رکھوں گا۔"

چنانچہ یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ قرآن کی آسمانی تفسیر یعنی سنت رسول ﷺ سے اعراض کی پاداش تھی کہ قرآن نے حکم دیا:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (المدثر۔٤)

"اور اپنے کپڑے پاک رکھو"

اور یہ حضرات فرماتے ہیں:

"ومن أصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار الدرهم وما دونه جازت صلوته معه" (کتاب القدوری ۳۳)

"مغلظ نجاست (خون' پیشاب' پاخانہ' شراب وغیرہ) بقدر ساڑھے تین ماشہ (جسم یا کپڑے کو) لگی ہو تو اس کے ساتھ ہی نماز پڑھنا جائز ہے"

قرآن نے تصریح فرمائی:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرہ۔۲۳۳)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہتا ہے۔"

لیکن امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ مدت رضاعت دو سال اور چھ مہینے ہے ان کے نکتہ ہائے غریب' دقیق تو ہیں لیکن صاحبین کو بھی متاثر اور قائل نہیں کر سکتے' لیکن اصحاب متون نص قرآنی کو پیروی کی بجائے سارا زور اس نکتہ کے بیان پر صرف کرتے رہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہو گا کہ ظاہر الروایہ یہی ہے علامہ کاسانی کی پریشانی ان کی طول بیان کے باوجود چھپائے نہیں چھپتی' حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس قول کی وکالت کرتے ہوئے ایسی تاویل فرمائی ہے جس پر قادیانی علم کلام کی پرچھائیں صاف نظر آتی ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

"فکون الحولین تاما لا ینافی کون الحولین والنصف أتم" (بیان القرآن)

"دو سال کی مدت رضاعت کامل ہونے سے اڑھائی سال کے اکمل ہونے کی نفی نہیں ہوتی"

ان حقائق صارخہ کی موجودگی میں حضرت مولانا کا یہ دعویٰ کرنا کہ اہل الحدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے "شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں کے گھروں پر سنگ باری" کرنے کے سوا کیا معنی رکھتا ہے؟

مزید ارشاد ہوتا ہے "لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں... الخ-

کاش مولانا کے سامنے اس وقت سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا' مولانا کے پاؤں دابتا لیکن خود دبتانہ حقائق دابنے دیتا اور ادب کے ساتھ عرض خدمت کرتا کہ حضرت! یہ تو ارشاد فرمادیجئے کہ حنفیہ کے اس عظیم الشان "اصول" کے ماخذ و بنیاد قرآن حکیم کی کون سی آیت ہے' یہ قاعدہ آپ حضرات نے "فرمان الٰہی" :

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر۔۷)

"اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے باز رہو' اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے-"

سے بطریق "عبارۃ النص" سمجھا' یا آیت کریمہ :

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء۔۸۰)

"جس کسی نے رسول ﷺ کی اطاعت کی بلا شبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی"

یا بطریق "دلالۃ النص" آپ نے یہ مفہوم اخذ کیا' یا ارشاد ربانی :

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا

عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ﴾ (المائدۃ۔۹۲)

''اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف پیغام کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

کی ''اشارۃ النص'' نے یہ معنی سمجھادیا؟؟؟

ظاہر ہے ان آیات بینات سے مذکورہ اصول کوئی مطابقت نہیں رکھتا' اگر اس کی کچھ بنیاد ملتی ہے تو ان آیات کریمہ میں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

﴿إِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ أَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَ یُرِیْدُوْنَ أَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًاo أُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا وَ أَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ (النساء۔۱۵۱)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے انکاری ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں اور اس کے درمیان راہ نکالنا چاہتے ہیں وہی حقیقی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

نیز فرمایا :-

﴿وَإِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰی مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَ إِلَی الرَّسُوْلِ رَأَیْتَ الْمُنَافِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًاo فَکَیْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَیْدِیْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّآ إِحْسَانًا وَ تَوْفِیْقًا﴾ (النساء۔۶۱'۶۲)

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ پیغام اور رسول کی تعلیمات کی طرف آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ منافق مکمل اعراض کرتے ہیں' کیا حال ہو گا جب ان کی اس روش کی پاداش میں ان پر مصیبت آئے گی تو

تمہاری طرف آئیں گے اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصد نیک اور باہم موافقت پیدا کرنا تھا۔"

حنفیہ کے دعویٰ عمل بالقرآن کی حقیقت

کاش مولانا موصوف جیسے علماء کی ژرف نگاہی دوسروں کی آنکھ میں تنکا تلاش کرنے کی بجائے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنے میں صرف ہوتی' اور ان پر یہ حقیقت مخفی نہ رہتی کہ محض پندار اور بلند آہنگ گفتار سے حقائق نہیں بدل سکتے' فقہ حنفی کے اسفار کا ہر ورق شاہد ہے کہ تأسیس اصول کا مرحلہ ہو یا تخریج فروع کا عرصہ' یہ حضرات "القرآن" کو نہیں صرف "کالقرآن" کو دیکھتے ہیں اور احادیث الرسول ﷺ فداہ أرواحنا و أنفسنا کی بجائے احادیث النفس پر اعتماد کرتے ہیں' اس کی مثالیں ذکر کی جا چکی ہیں' ناکافی ہوں تو مزید سن لیجئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں رشاد فرماتے ہیں :۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (التوبة۔۲۸)

"اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں' تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں"

رسول اکرم ﷺ نے اس فرمان الٰہی کی تأویل و تعمیل اس طرح کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کے ذریعہ مشاعر حج میں اعلان کروایا کہ :

"أَنْ لاَ يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلاَ يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ" (متفق علیه)

"اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے"

اور سادات حنفیہ فرماتے ہیں :

"لا بأس بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام" (الهداية)

"اہل ذمہ کے مسجد حرام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ (البقرة۔۱۷۸)

"اے ایمان والو! مقتول کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) تم پر فرض کیا گیا ہے"

اس آیت میں قتل عمد کی سزا قتل بیان کی گئی ہے سوائے اس کے کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا دیت لینے پر رضا مند ہو جائیں' اس بارہ میں ذریعہ قتل سے تعرض نہیں کیا گیا' پتھر مار کر مارے یا زہر دے کر' قتل کرنے والے کو قاتل ہی شمار کیا جائے گا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے کہ ایک یہودی عورت نے حضرت رسول اکرم ﷺ اور بعض صحابہ کو کھانے پر بلایا اور گوشت میں زہر ملا دیا' نبی اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی تو اصحاب رضی اللہ عنہ کو کھانے سے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا' اسی زہر کے اثر سے حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو اس یہودیہ کو بلوا کر قصاص میں قتل کر دیا گیا' (باب فمن سقى رجلا سما اور أطعمه فمات ايقاد منه؟) حديث ٤٥١٠ - ٤٥١٤)

لیکن سادات حنفیہ فرماتے ہیں :-

(وإذا سقى رجلا سما فمات من ذلك فإن أوجره أيجارا على كره منه اور ناوله ثم أكرهه على شربه حتى شرب' او ناوله من غير إكراه عليه' فإن أوجره' او ناوله' أو أكرهه على شربه فلا قصاص عليه و على عاقلته الدية) (الفتاوى الهندية عالمگیری ٦/٦)

"ایک شخص کسی کو زہر کھلا دے اور وہ اس سے مر جائے' اس کے منہ میں زبردستی ڈالا ہو یا اسے پکڑا دیا پھر اسے پینے پر مجبور کیا ہو یہاں تک کہ وہ پی

لے یا وہ مجبور کئے بغیر ہی از خود پی لے اور مر جائے تو ان تمام صورتوں میں زہر دینے اور پلانے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا' تاہم اس کا عاقلہ (قبیلہ) دیت دینے کا ذمہ دار ہے۔"

یعنی نہ تو قرآن کے عمومی حکم کی تعمیل کی گئی اور نہ حدیث میں مذکور رسول اکرم ﷺ کے عادلانہ فیصلہ کو درخور اعتنا سمجھا گیا نوبت بایں جارسید کہ بعض صورتوں میں قصاص سے بچنے کے حیلے کے طور پر زہر دہی کا مشورہ بھی "فقہاء" نے دیا' ارشاد ہوتا ہے' سنئے اور سر دھنئے :-

"إمراة علمت أن زوجها طلقها ثلاثا وهو ينكر ولا تقدر المرأة على منع نفسها منه فيباح لها القتل و لكن ينبغي أن لا تقتله بآلة القتل لأنها لو قتلته بآلة جارحة تقتل قصاصا" (فتاوى قاضى خان ۱/۴۳۱)

"کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے چکا اب انکاری ہے' عورت اس سے خود کو بچا نہیں سکتی' تو اس کے لئے روا ہے کہ اسے قتل کر ڈالے تاہم مناسب ہے کہ اسے قتل کے معروف آلات سے قتل نہ کرے کیونکہ اس صورت میں وہ خود قصاص میں قتل کر دی جائے گی۔"

ایک طرف کسی عفیفہ کو قتل کا مشورہ دیا جا رہا ہے تو دوسری طرف فراخ دلی کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں :-

"رجل ادعى على امرأة نكاحا وهى تجحد وأقام عليها شاهدى زور وقضى القاضى بالنكاح بينهما' حل للرجل وطؤها وحل للمرأة التمكين منه عند ابى حنيفة و أبى يوسف" (عالمگیری ۳/ ۳۵۰- ۳۵۱)

"ایک شخص کسی عورت پر اپنی منکوحہ ہونے کا دعوی کرتا ہے' عورت انکار کرتی ہے یہ جھوٹے گواہ کھڑے کر لیتا ہے' قاضی صاحب نکاح کا فیصلہ صادر

فرمادیں تو اس آدمی کے لئے اپنے کھڑے کئے ہوئے جھوٹے گواہوں کی بنا پر قرار دی گئی منکوحہ سے مباشرت کرنا حلال ہو گا' اور اس عورت کو بھی حلال ہے کہ اپنے آپ کو اس خود ساختہ شوہر کے حوالے کر دے۔"

مزید سنئے :-

"إمرأة دعت على زوجها أنه طلقها ثلاثا وأقامت على ذلك شهود زور و قضى القاضي بالفرقة بينهما و تزوجت بزوج آخر بعد انقضاء العدة فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله' و قول أبي يوسف رحمه الله تعالى لا يحل للزوج الأول وطؤها ظاهرا و باطنا ويحل للزوج الثاني وطؤها ظاهرا و باطنا علم بحقيقة الحال او لم يعلم" (عالم گیری ۳/ ۳۵۱)

"کوئی عورت اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرتی ہے کہ وہ اسے تین طلاقیں دے چکا ہے اور اس پر جھوٹے گواہ بھگتا دے اور قاضی ڈگری دے دے کہ ان کے درمیان علیحدگی ہو چکی' عدت گزرنے کے بعد اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق پہلے شوہر پر اس کے قریب جانا حرام ہو گا' ظاہری طور پر ہی نہیں حقیقت میں بھی' اور دوسرے شوہر پر اس کے ساتھ مباشرت کرنا حلال ہو گا ظاہری اور حقیقی ہر اعتبار سے اسے حقیقت کا علم ہو (کہ عورت نے جھوٹے گواہ کھڑے کر کے ڈگری حاصل کی ہے) تب بھی۔"

اسی طرح سادات حنفیہ فرماتے ہیں :-

"ولا يستوفى القصاص ألا بالسيف" (هداية وغيره)

"قصاص صرف تلوار کے ساتھ لیا جائے گا۔"

اس بارہ میں قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے :-

﴿فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾
(البقرہ)

''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔''

اور متفق علیہ حدیث میں ہے :۔

''أنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هَذَا أَفُلاَنٌ؟ أَفُلاَنٌ؟ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا فَجِيءَ بِالْيَهُودِيِّ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ'' (البخاری)

''کسی یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل ڈالا اس سے پوچھا گیا تم پر یہ ظلم کس نے کیا' فلاں نے کیا؟ فلاں نے کیا؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام آیا تو اس لڑکی نے سر کے اشارے سے تصدیق کی' اس یہودی کو لایا گیا اس نے اقرار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارہ میں فیصلہ صادر فرمایا چنانچہ اس کا سر پتھروں سے کچل دیا گیا۔''

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ حنفیہ کا حسن سلوک

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ سادات حنفیہ کے حسن سلوک کا قصہ تو بہت طویل ہے' مشتے از خروارے کے طور پر چند مسائل دیکھ لیجئے۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

''من مات و عليه صيام صام عنه وليه'' (متفق عليه البخاری ۱/۲۶۳ مسلم ۱/۳۶۲)

''جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کے ذمے روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔''

سادات حنفیہ پوری قوت سے فرماتے ہیں :-

"ولا یصوم عنه اولی" (هداية كتاب الصوم ۲۰۳)

"میت کی طرف سے اس کا ولی روزے نہیں رکھ سکتا۔"

صحیح ترین سند کے ساتھ عمرو بن امیہ الضمری سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا :-

"رأيت النبي ﷺ يمسح على عمامته وخفيه" (صحيح البخاری ۳۳/۱)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے دیکھا"

اس سنت ثابتہ کو حضرات حنفیہ "احسن ترین محامل پر محمول" کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ولا يجوز المسح على العمامة" (هداية ۴۴/۱)

"پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

"أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خلاً فَقَالَ لاَ" (صحيح مسلم كتاب الأشربة حديث۔۳۶۶۹)

"نبی ﷺ سے شراب کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اس سے سرکہ بنا لیا جائے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں"

اس حدیث پر عمل کرنے کا حنفی انداز یہ ہے کہ فرماتے ہیں :-

"ولا يكره تخليلها" (الهداية كتاب الأشربة ۱۸۳/۲)

"اس کا سرکہ بنانے میں کوئی حرج نہیں"

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

"أن رسول الله ﷺ نهى عن ثمن الكلب" (سنن أبي داؤد سنن النسائی)

"بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع کیا"

حضرات احناف اس حدیث کو "محامل حسنہ" پر محمول فرماتے ہوئے فتوی صادر

کرتے ہیں :-

"یجوز بیع الکلب و الفهد والسباع" (هداية ۲ / ۵۰ کتاب البیوع)

"کتے، شیر اور درندوں کی خرید و فروخت جائز ہے"

بلکہ ذبح کر کے اس کا گوشت بیچنے کے لئے بھی جواز کا فتوی مہیا فرماتے ہیں- (عالمگیری ۳ / ۱۱۵)

قرآن و حدیث کے ساتھ اس طرح کا یکساں "حسن سلوک" کرنے کے باوجود اگر مولانا مصر ہوں کہ "حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآنی کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں" (انتهى بلفظه)

تو یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ ؎

بگو حدیث وفا از تو با و راست بگو

شوم فدائے دروغے کہ راست مانند است

ان مسائل کا استقصاء جن میں سادات حنفیہ نے نصوص قرآن و سنت کے برعکس موقف اختیار کیا دفتروں کے دفتر چاہتا ہے، اب ہم ان مسائل کی طرف آتے ہیں جنہیں مولانا نے اپنی مرضی کے میدان کے طور پر منتخب فرمایا، ان پر سرسری نظر بھی واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان سے مولانا کے موقف کو کوئی تقویت نہیں ملتی-

مولانا موصوف اپنے سامنے بیٹھے ہوئے "شاگرد" سے جو اہل حدیث ہو گیا تھا فرماتے ہیں :-

"اب میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا اختلاف ہے ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی"

اس کے بعد انہوں نے تین مسائل کا ذکر کیا :-

۱- قرأۃ خلف الإمام

۲- رفع الیدین عند الرکوع والرفع منہ

۳- آمین بالجہر

اہل حدیث اور احناف کے درمیان اصل اختلاف

مولانا رحمہ اللہ نے یہاں بھی انصاف نہیں فرمایا' ان کا قلم تمہید ہی میں عدل و اعتدال سے ہٹ گیا' مشہور ترین مسئلہ جس میں اہل حدیث سے حنفیہ کا اختلاف ہے اس کا ذکر نہیں کیا اور وہ ہے ایمان میں کمی بیشی کا' اس اہم ترین بنیادی مسئلہ سے اغماض کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں مقابلہ کے لئے کوئی آیت نہیں مل سکتی تھی جسے وہ حنفیہ کے موقف کی بنیاد قرار دے سکتے کیونکہ قرآن نے اہل ایمان کا تعارف ہی ان الفاظ سے کرایا ہے کہ :-

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الأنفال۔ ٢)

"مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے-"

نیز فرمایا :-

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (التوبة۔ ١٢٤)

"سو جو ایمان والے ہیں تو ان کے ایمان میں ان آیات نے اضافہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں"

احادیث' آثار صحابہ و تابعین و اقوال سلف و خلف صحیح بخاری کی کتاب الایمان اور عقائد کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں-

اہل حدیث کے ساتھ حضرات حنفیہ کا ایک بڑا اختلاف سنت مطہرہ کے تشریعی مقام اور قرآن و سنت کے باہمی ارتباط پر ہے اہل حدیث ان دونوں میں تعارض کے امکان کو رد کرتے ہیں اور سنت کو قرآن کا بیان مانتے ہیں جب کہ احناف سنت کو قرآن

کی تخصیص و تقیید کے بھی قابل نہیں سمجھتے' مولانا کے منتخب فرمودہ مسائل اس اصول کی فروعات میں سے ہیں۔

اہل حدیث اور احناف کے مابین ایک اور بنیادی اختلاف تقلید کی شرعی حیثیت کے متعلق ہے' حضرات حنفیہ اسے واجب قرار دیتے ہیں جب کہ اہل حدیث ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ :

"تقلید کو انہوں نے کس دلیل سے واجب قرار دیا ہے ؟ تقلید سے یا ازراہِ اجتہاد ؟"

"انہوں نے آئمہ میں سے تقلید کے لئے انتخاب کی گئی شخصیت کو باقی آئمہ پر کیونکر ترجیح دی ؟"

"کیا آئمہ نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا؟ تمام آئمہ نے بصراحت اپنی تقلید سے منع کیا یا نہیں ؟"

"آئمہ سے صحیح اسانید کے ساتھ تقلید کی ممانعت پر مشتمل تصریحات کی موجودگی میں حضرات مقلدین کا ان کی تقلید کا دعوی کیا حیثیت رکھتا ہے ؟"

ان مشہور ترین بنیادی اختلافات کو چھوڑ کر جن مسائل کو منتخب فرمایا وہاں بھی حضرت غفر اللہ لنا ولہ نے یہ ستم ڈھایا کہ پورا زور یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ ان مسائل میں حنفیہ کا اختلاف "اہل حدیث" سے ہے اگر ان کے بالمقابل سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا تو کم از کم اس تطفیف میزان اور "سوء كيلة" کی طرف ان کی توجہ ضرور مبذول کراتا اور عرض کرتا کہ ان مسائل میں سادات حنفیہ کے مدمقابل صرف اہل حدیث نہیں بلکہ جمہور امت ہیں تو کیا حضرت جمہور آئمہ یعنی امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام اسحاق بن راہویہ' امام بخاری' امام مسلم' امام محمد ابن خزیمہ رحمهم الله تعالى و غيرهم و كثير ماهم کو بھی قرآن کو نظر انداز کرنے کا الزام دیں گے ؟

قرأۃ خلف الامام کو موضوع سخن بنانا ستم بالائے ستم کے سوا کچھ نہیں' اسے نرم

سے نرم الفاظ میں خلط مبحث ہی کہا جا سکتا ہے' کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تو نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا امام کے لئے بھی فرض نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کے متواتر' صحیح اور صریح فرمان (لا صلاة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب) کے باوجود ان کا اصرار کہ قرأت فاتحہ نماز کے فرائض میں نہیں بلکہ ہدایہ سمیت تمام متون میں اسے صرف واجب گردانا گیا جب کہ واجب کی تعریف ان کے ہاں یہ ہے :

"**ما تجوز الصلاة بدونه**" (شرح العناية على الهداية ۱/۲۷۶)

"جس کے بغیر نماز جائز ہے"

تقلید کی وکالت میں "مجتہدانہ کاوشیں"

مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے "ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا.... الخ۔

اس مختصر سی عبارت کا ایک ایک لفظ دامن دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اگر انہوں نے سچ مچ قرآن کی طرف رجوع کیا پھر دلائل کا موازنہ کیا اور سوچ سمجھ کر ایک موقف اختیار کیا تو غیر شعوری طور پر مجتہدانہ کاوش میں مصروف تھے وللہ الحجۃ البالغۃ انہیں یاد بھی نہیں رہا کہ مقدمہ تقلید کا لڑنے جا رہے ہیں ان کے اس انداز استدلال نے تو ان کے مقدمہ کو کمزور سے کمزور تر کر کے رکھ دیا ہے فرماتے ہیں :۔

سورۂ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف۔۲۰٤)

"جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا"

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ...(انتهى بلفظه)

تعجب ہے کہ مولانا اس مضمون کی تحریر سے چند سال بیشتر ایک مقالہ میں یوں رقم طراز ہوئے تھے :-

”نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا جب سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَقُوْمُوْا للّٰہِ قَانِتِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا، اور آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے سے ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں (فاران دسمبر ۱۹۶۰ ص ۳۵ منقول از توضیح الکلام ۱ / ۱۱۴)

حضرت کے سامنے سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا تو یہ دریافت کئے بغیر نہ رہتا کہ مولانا! یہ کیا طرفہ ہے کہ وہی آیت جو عام بات چیت اور گفتگو سے مانع نہ ہوئی سورہ فاتحہ پڑھنے کو حرام ٹھہراتی ہے ؟

اگر مذکورہ آیت کا مفہوم وہی ہے جس کا حضرت نے دعوی فرمایا ہے تو کم از کم اس کی تخصیص اس صورت سے تو کر دیجئے جو اس مفہوم میں شامل ہے، آپ نے خود فرمایا ہے کہ :

”اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے“

لہذا اگر کوئی امام کے ساتھ نہیں پڑھتا بلکہ سکتات میں پڑھ لیتا ہے اس لئے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے :-

”لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“ (متفق علیه)

”جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔“

نیز بعض آئمہ احناف نے بھی احتیاطاً پڑھ لینے کا فتوی صادر فرمایا ہے (عمدۃ القاری ۶ / ۱۴) تو اس صورت میں آپ اس پر آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کا الزام کیونکر لگا سکتے ہیں۔

مولانا نے امام احمد بن حنبل کا یہ قول تو نقل کیا کہ آیت بالاتفاق قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی لیکن اس بات کا تذکرہ تک نہیں فرمایا کہ انہیں امام احمد سے

یہ بھی منقول ہے کہ :

”من إجماع الناس على أنها نزلت فى الصلاة و فى الجمعة“

(فتاوی الکبری ابن تیمیة)

”یعنی بعض لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ جمعہ کے بارہ میں نازل ہوئی“

بلکہ یہ کہہ کنی کترانے کی کوشش کی ہے کہ ”جن علماء نے اس کو خطبہ جمعہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ-“ (انتهى بلفظه)

مولانا کا یہ اضطراب بے سبب نہیں انہیں معلوم ہے کہ خطبہ کے دوران آنے والے نمازی کو دو رکعت پڑھنے کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے' لہٰذا جس طرح دوران خطبہ نماز پڑھی جائے گی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت بھی ہو جائے گی لیکن مولانا اسے یہ اجازت دینے پر کسی طور پر آمادہ نہیں-

اس حقیقت سے سادات حنفیہ کو بھی مجال انکار نہیں ہے کہ صحابہ کرام کی ایک معتد بہ جماعت امام کے پیچھے ہونے کی حالت میں بھی سورہ فاتحہ پڑھتی رہی' جیسا کہ مولانا گنگوہیؒ نے اس بارے میں تصریح کی ہے' لہٰذا اگر پہلے سے ایک بات ذہن میں بسا نہ لی جائے تو یہ سمجھنا قطعاً دشوار نہیں کہ اگر اس آیت سے مراد خلف الامام فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا مقصود و مراد ہوتا تو نا ممکن تھا مکہ میں نازل ہونے والی اس آیت کو صحابہ کرام مدنی دور میں بھی سمجھ نہ پائے' جب کہ تھانہ بھون کے عجمی نژاد احناف نے ”ذرا سا غور“ کئے بغیر ہی سمجھ لیا-

نماز باجماعت میں بحالت قرأت امام شامل ہونے والا شخص کس طرح داخل ہو؟ اللہ اکبر کہنے کی اجازت آپ جس دلیل سے دیں گے (بلکہ بعض حنفیہ تو ثنا تک پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں' منیۃ المصلی ۹۶) اسی میں تھوڑی سی مزید وسعت پیدا کر کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش بھی نکال دیں تو ایک قدیم و طویل جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے'

خاص طور پر جب کہ مولانا گنگوہیؒ فرما بھی چکے ہیں کہ فاتحہ کی آیات قلیل ہیں سکتہ ثناء وغیرہ میں بلا منازعت قرآن کے پڑھ سکتے ہیں' لہذا رخصت کی گنجائش ہے (فتاوی رشیدیہ ۵۱۳)

فاتحہ خلف الامام کے متعلق حنفیہ کے موقف کا و إذا قرئ القرآن... الأية سے دور کا تعلق بھی نہیں

غور تو دور کی بات ہے' مولانا نے انصاف بھی نہیں فرمایا ورنہ یہ سمجھنا دشوار نہ تھا کہ اس آیت کا قرأت فاتحہ خلف الامام سے کچھ تعلق نہیں اور نہ یہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مأخذ و مستدل ہے ورنہ نور الأنوار وغیرہ میں اسے تعارض و تساقط کے طور پر بیان نہ کیا جاتا اور سادات حنفیہ تو لاحق کو بھی قرأت سے منع کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر كغفلة أو زحمة وسبق حدث... وحكمه كمؤتم فلا ياتى بقرإة...) (درالمختار ۱/۵۹۴)

"لاحق اس نمازی کو کہتے ہیں جو امام کی اقتداء میں شامل ہوا لیکن غفلت' بھیڑ یا وضو ٹوٹ جانے کے سبب اس سے نماز کی تمام یا کچھ رکعتیں فوت ہو گئیں' اس کا حکم بھی مقتدی کا ہو گا لہذا وہ قرأت نہیں کرے گا"

اب یہاں امام ہے نہ اس کی قرأت جسے سنتے ہوئے وہ خاموش رہنے کا مکلّف تھا' لیکن آپ حضرات اس حالت میں بھی اسے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہوتے' اس نے سورہ فاتحہ سنی اور نہ آپ کی ممانعت کے سبب خود پڑھی آیت کے حکم فاستمعوا پر اپنی غفلت یا عذر کی بنا پر عمل نہ کر سکا اور حدیث پر آپ نے نہ کرنے دیا اس کے باوصف دعوی فرماتے ہوئے مسرور ہیں کہ "ہم پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اور پھر حدیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔"

این چه بو العجبی ست

مسئلہ اس قدر سادہ ہوتا اور نص قرآنی احناف کے موقف کی مؤید ہوتی تو ان کا

مسلک مقبول سے مقبول تر ہوتا جاتا اور کیفیت یوں نہ ہوتی جو امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبداللہ بن المبارک نے بیان فرمائی ہے :-

"أنا أقرأ خلف الإمام والناس يقرؤن إلا قوما من الكوفيين" (جامع الترمذی ۲/۱۲۲)

"میں امام کے پیچھے ہوتے ہوئے بھی قرأت کرتا ہوں اور لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں صرف اہل کوفہ کا ایک گروہ نہیں کرتا"

بہت سے اکابر حنفیہ اپنے مشہور موقف اور اس کے دلائل سے مطمئن نہیں ہیں ان کے دل کی خلش نوک قلم پر بھی آگئی چنانچہ ہدایہ (۱/۳۴۱) میں ہے-

"و يستحن على سبيل الإحتياط فيما يروى عن محمد و يكره عندهما لما فيه من الوعيد"

"ازراہ احتیاط مستحسن ہے کہ پڑھ لے جیسا کہ محمدؒ سے مروی ہے اور ان دونوں (ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ) کے نزدیک مکروہ ہے اس وعید کی بنا پر جو اس باب میں وارد ہے-"

برصغیر میں حضرت نظام الدین اولیاء' شاہ عبدالرحیم' قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور مولانا عبدالحی لکھنوی جیسے اساطین علماء اس مسئلہ میں اہل حدیث کے موقف کی متانت اور قوت استدلال سے راجح ہونے کی گواہی دے چکے ہیں-

رفع الیدین :-

اس مسئلہ میں مولانا کا مؤقف پہلے سے بھی زیادہ طریف ہے' فرماتے ہیں :

"ہم نے اول قرآن کو دیکھا (حالانکہ اگر وہ راسخ العقیدہ مقلد ہیں تو انہیں صرف اپنے مقلد کا قول دیکھنا چاہئے تھا) تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ اور ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو' دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب

ہیں اور خشوع کے معنی بھی سکون ہی کے ہیں" (انتھی بلفظه)

ہدایہ 'کنز' اور قدوری سے نظر ہٹا کر مولانا کو قرآن دیکھنے کا موقع میسر آ ہی گیا تھا تو ان آیات کی روشنی میں احناف کے انداز خشوع اور فقہ حنفی کی ان فروع پر نظر ثانی فرماتے جن کے مطابق۔

"قبلہ رو بقدر ایک صف کے چلے پھر رک جائے پھر ایک صف کے بقدر چلے اس طرح خواہ کتنا ہی "سفر" کرلے بس اتنا خیال رکھے کہ مسجد سے باہر نہ نکلے تو اس کی نماز درست ہے۔" (در مختار ۱ / ۶۲۹)

"اگر جانور کا تھن منہ میں چوسنا شروع کر دے اگر دودھ نازل نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہو گی۔" (ایضاً)

"پرندے کو پتھر مارنے سے 'کتے بلی کو چمکارنے' یا گدھے کو ہانکنے سے بھی نماز کی صحت متاثر نہیں ہوتی۔" (ایضاً ۱ / ۶۱۴)

مولانا کو نماز میں چہل قدمی' بلکہ شغل شکار اور جانور کی چمکار تو ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰه قَانِتِيْنَ﴾ اور ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ کے خلاف محسوس نہیں ہوتی' تاہم رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی صحیح ثابت و متواتر سنت جس پر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عمل پیرا رہے خشوع اور قنوت کے منافی دکھائی دیتی ہے صدق رسول اللہ ﷺ "**حبك شيئا يعمي ويصم**" (سنن ابی داؤد) تمہارا کسی چیز کی محبت میں گرفتار ہونا اندھا بہرہ کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب۔ ۲۱)

"بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔"

اور اس مضمون کی دسیوں آیات انہیں نظر ہی نہیں آئیں اور اسی ضعیف بصارت کے ساتھ تحقیق مزید کے لئے ذخیرہ حدیث پر نگاہ ڈالنے چل نکلے تو انہیں رفع الیدین کے اثبات کی متواتر احادیث دکھائی نہیں دیں بلکہ نگاہ انتخاب کی داد دیجئے کہ وہ

جا کر ٹھہری بھی تو اس حدیث پر جس کے متعلق "شیخ الہند" جیسے متصلب حنفی فرما چکے ہیں کہ :-

"اذناب الخیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں ہے کیونکہ وہ سلام کے بارے میں ہے" (تقاریر ص ٦٥)

مولانا نے بڑا کرم کیا کہ انہوں نے اپنے مکمل اختیارات استعمال نہیں کئے وگرنہ وہ "اسکنوا فی الصلاۃ" کی اپنی تعبیر کے مطابق نماز میں رکوع و سجود کو بھی سکون کے منافی حرکات قرار دے کر موقوف فرما سکتے تھے۔

اگر مولانا کی خدمت میں سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم حاضر ہوتا تو "شیخ الہند" کے مندرجہ بالا فرمان کی طرف حضرت کی توجہ مبذول کرنے کے علاوہ یہ بھی عرض کرتا کہ :

رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین کرنا ایسی سنت ہے جو تواتر سے ثابت ہے' حضرت مالک بن الحویرث اور حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب جنہیں رسول اکرم ﷺ کو ان کی حیات دنیوی کے آخری دنوں میں حاضر خدمت ہونے کی سعادت حاصل ہوئی اس کی روایت کرنے والوں میں شامل ہیں' بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا :

"أُقْسِمُ بِاللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَهِيَ صَلاَتَهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا" (معجم ابن لاعرابی ١/٦٣٢- بحواله رفع اليدين كا ثبوت تاليف محمد زبير على زئى ص٩٥)

"اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہونے تک اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔"

یہاں تک کہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ جیسے راسخ الحنفیت کو بھی یہ اعلان کرتے ہی بنی :

"إن الرفع متواتر اسنادا و عملا و لم ينسخ ولا حرف" (نیل

الفرقدين ص ٢٢ حاشية فيض الباری ٢/ ٢٥٥)

"رفع الیدین سند کے اعتبار سے متواتر ہے اور عملاً بھی' اس میں سے ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔"

کیا آپ کی گفتگو اور مذکورہ آیات سے استدلال کا مقتضیٰ و فحویٰ یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ فداہ أرواحنا اور آپ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ کو قنوت اور خشوع کی ان باریکیوں اور لطافتوں کا ادراک نہیں تھا جن تک حضرت حنفیت کی برکت سے رسائی حاصل کر چکے ہیں تو ایسا خشوع اور قنوت آپ کو مبارک' اہل حدیث کو فرمان رسول ﷺ صلوا کما رأیتمونی أصلی کی تعمیل میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھنے دیں' اگر آپ اس سنت متواترہ پر عمل کی ہمت نہیں پاتے تو نہ کیجئے لیکن گو سالہ حنفیت کی محبت میں اس حد تک تو نہ جایئے کہ سنت کے عاملین کی نمازوں کو قنوت و خشوع سے عاری قرار دینے پر تل جائیں۔

مادر حنفیت کا کوئی فرزند اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت نہیں رکھتا کہ نبی اکرم ﷺ خود رفع الیدین کرتے رہے یہ ایسا عمل ہے جس پر آپ ﷺ برس ہا برس عمل پیرا رہے' حضرت نے کس طرح باور کر لیا کہ اس سے منع کرنے کے لئے افصح العرب والعجم ﷺ نے یہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہو گا "یہ کیا حرکت ہے تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم ہلاتے ہیں" کیا حدیث و سنت کے ساتھ اسی رویہ کی بنا پر آپ فخریہ کہتے ہیں کہ "محامل حسنہ" پر محمول کرتے ہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السُّوْءِ) صحيح البخاری ٣/٣١٥

"ہمارے لئے بری مثال و تشبیہ زیبا نہیں۔"

مشروع امور میں تبدیلی کی اطلاع اور تعلیم دینے میں نبی اکرم ﷺ کا انداز و اسلوب محمود معلوم ہے' حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی ﷺ کو سلام کیا نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے جواب نہیں دیا جب کہ اس سے

پہلے حالت نماز میں جواب دیا کرتے تھے' نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا :

"إِنَّ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَاشَاءَ وَ إِنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ أَنْ لاَ تَكَلَّمُوا فِي الصَّلاَةِ" (مسند امام احمد۔ ۳۹۳۱)

"اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم فرماتا ہے' اور اس نے اب یہ حکم فرمایا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کیا کرو---"

ابتداء میں زیارت قبور سے منع کیا گیا تھا جب عقیدہ توحید راسخ ہو گیا اور اس کے تقاضوں کا شعور ذہنوں میں پختہ ہو گیا تو اجازت دے دی گئی اس حکم میں تبدیلی کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دی :

"كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فإنها ترق القوب و تدمع العين و تذكر الآخرة ولا تقولوا هجرا" (مستدرك حاكم)

"میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا وہاں جایا کرو' کہا اس سے رقت قلب پیدا ہوتی ہے' آنکھوں میں آنسو آتے ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہیں اور وہاں نازیبا بات نہ کرو۔"

عید الاضحیٰ پر ایک مرتبہ تین دن سے زیادہ گوشت ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا' اس سے اگلے برس یوں وضاحت فرمائی :

"كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلاَثٍ لِيَتَّسِعَ ذُوالطَّوْلِ عَلَى مَنْ لاَ طَوْلَ لَهُ فَكُلُوا مَا بَدَا لَكُمْ وَ أَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا" (جامع الترمذی كتاب الأضاحى ١٤٣٠)

"میں تمہیں قربانی کے گوشت تین دن سے زیادہ تک کھانے سے منع کرتا تھا کہ اصحاب کشائش ناداروں کو بھی دیں اب (جب کہ کشائش عام ہو چکی) جب تک چاہو کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کر لو۔"

لیکن رفع الیدین کے لئے یکایک گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ وارد ہو' قرآن و سنت کے اشباہ و نظائر سے آپ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔

اگر قنوت کا حکم اور خشوع کی ترغیب نماز میں رفع الیدین نہ کرنے کا تقاضا کرتے ہیں تو سادات حنفیہ نماز عیدین اور وتر میں ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ اس رفع الیدین کے دلائل قوت اور کثرت کے اعتبار سے رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع الیدین کے دلائل کا عشر عشیر نہیں' کیا لفظ صلاۃ کا اطلاق عیدین کی نماز پر نہیں ہوتا؟ یا اس میں خشوع مطلوب نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

اس کی کیا توجیہ فرمایئے گا کہ ترک رفع الیدین پر مذکورہ بالا آیات کریمہ اور حدیث جابر بن سمرہؓ سے استدلال صرف متاخرین احناف کے ہاں ملتا ہے' آئمہ متقدمین بلکہ مذہب کے ہاں اس کا کچھ سراغ نہیں ملتا' چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے امام اوزاعیؒ کے ساتھ مبینہ مناظرہ میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عمل کو راجح قرار دینے کی بنیاد صرف فقہ الرواۃ پر رکھی گئی ہے۔

امام طحاویؒ اس مسئلہ میں حنفیہ کی مظلومیت کی شکایت کرتے ہوئے خاصے جذباتی ہو گئے ہیں لیکن احناف کے موقف کی ترجیح کے لئے ان کی تگ و دو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کے طرق جمع کرنے تک محدود رہی' علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ میں ترک رفع الیدین کے لئے آثار صحابہ سے ہی استدلال کیا' اب دو ہی صورتیں ہیں' یا تو ان آیات و احادیث میں حنفیہ کے موقف کی تائید کے لئے دلیل نہیں ہے' یا یہ سمجھا جائے کہ متاخرین احناف قرآن و حدیث فہمی میں اور حضرات مقلدین قوت استنباط و استخراج مسائل میں آئمہ مجتہدین پر سبقت لے گئے ہیں۔

آمین بالجہر :

تقریباً یہی حال مسئلہ آمین بالجہر کا ہے حضرت نے اس پر بھی کافی زور آزمائی کی ہے لیکن مقدمہ اس قدر کمزور ہے کہ مولانا کی وکالت بھی بے سود ثابت ہوئی جہاں تک ان کے دلائل کا تعلق ہے تو کمال بن الہمام اور ابن امیر الحاج جیسے متعصب احناف بھی ان سے مطمئن نہیں ہیں تو کوئی دوسرا ان سے کس حد تک متاثر ہو سکتا ہے' مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ اشارہ کافی حد تک چشم کشا ہے (لیکن صرف اہل انصاف کے لئے)

فرماتے ہیں :

”الإنصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل وقد اشار إليه ابن أمير الحاج فى الحلية حيث قال ”السر هو السنة و به قالت المالكية و فى قول عندهم يجهر فى الجهرية و عند الشافعى إن كانت جهرية جهر به بلا خلاف والمنفرد على المعروف والماموم فى احد قوليه و نص النووى على أنه على الأظهر وقد ورد فى السنة مايشيد لكل من المذهبين و رجح مشائخنا ما للمذهب بما لا يعرى عن شيء لمتأمله فلا جرم قال شيخنا ابن الهمام لو كان إلى شيء لوفقت بأن رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها فى زبر الصوت و ذيلها“ (التعليق المجد ١٠٣)

”انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے' ابن امیر الحاج نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-
”آہستہ کہنا (حنفیہ کے ہاں) مسنون ہے مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ایک قول ان کا یہ ہے کہ جہری نماز میں جہراً کہے' امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں تو امام جہراً ہی کہے گا' اور منفرد کے متعلق بھی مشہور قول یہی ہے' مقتدی کے بارے میں ان کے دو قول ہیں امام نووی نے تصریح کی ہے کہ مقتدی کے جہر کرنے کا قول قوی تر ہے' احادیث میں دونوں مذاہب کے شواہد موجود ہیں تاہم ہمارے مشائخ نے جن دلائل کو اپنے مذہب کے راجح ہونے کی بنیاد بنایا ہے تامل سے خالی نہیں ہیں' اس لئے ہمارے شیخ ابن الھمام کہتے ہیں کہ اگر فیصلہ میرے سپرد ہو تو میں دلائل کو اس طرح جمع کر دوں گا کہ خفض (آہستہ) سے مراد یہ ہے کہ بہت چلا کر اور کرخت آواز سے نہ کہے' اور جہر سے مراد یہ ہے کہ درمیانی آواز سے کہے-

مشکل تو یہی ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی انصاف کی بات کرتے ہیں اور ادھر یہ عالم ہے کہ حضرت کو صحیح بخاری میں عطا کا یہ قول تو نظر آ گیا کہ آمین دعا ہے چنانچہ اسے دیکھتے ہی انہیں آیت کریمہ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً﴾ بھی یاد آ گئی' اور اس کے معاً بعد :-

"أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَ مَنْ وَرَاءَ هُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً" (صحيح البخاری باب جهر الإمام بالتامين)

"حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ آمین کہتے اور ان کے مقتدی بھی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی۔"

نظر نہیں آیا۔

حضرت کے اغماض بصر کی وجہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ وہ اعلاء السنن ١/٦٨٦ میں انہی عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ طحاوی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں :

"قد فعل عبدالله بن الزبير ما ذكرنا فی زمزم بحضرة أصحاب النبیﷺ فلم ینكروا ذلك"

"عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایسا کیا اور کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔"

بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اسے صحابہ کا اجماع قرار دے دیا ہے (ملاحظہ ہو لمعات التنقیح ٢/٦/١٣٦ نیز درس ترمذی تقی عثمانی ١/٦/٧/٢)

اس لئے حضرت نے خوب کیا کہ اس اثر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا ورنہ عطاءؒ کی زبانی سننا پڑتا :

"أدركت مائتين من أصحاب رسول اللهﷺ فی هذا المسجد إذا قال الإمام ولا الضالين سمعت لهم رجة بآمين" (سنن البيهقی)

"میں نے نبی اکرمﷺ کے صحابہ میں سے دو سو اصحاب کو اس مسجد میں پایا'

جب امام ولا الضآلین کہتا تو وہ اس طرح آمین کہتے کہ مسجد گونج اٹھتی-"
اور مولانا میں ایسی باتیں سننے کی تاب کہاں ؟

وکانوا لا یستطیعون سمعاً

لیکن علامہ انور شاہؒ نے تو اور بھی ستم ڈھایا ہے کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے اثر کو دیکھا تو سہی لیکن اس کا محمل تک بدل ڈالا فرماتے ہیں :

قوله "وأمن الابن الزبير" و لعله حين كان يقنت في الفجر على عبدالملك وكان هو يقنت على ابن الزبير رضى الله عنه و في مثل هذه الأيام تجرى المبالغات أيضاً (فیض الباری ٢/ ٢٩٠)

"ابن الزبیر آمین کہتے شاید یہ ان دنوں کی بات ہے جب انہوں نے عبدالملک کے لئے نماز فجر میں قنوت نازلہ (بددعا) پڑھنا شروع کر رکھی تھی اور وہ ان کے لئے ایسا کرتا تھا' اور اس طرح کے ایام میں کچھ کچھ مبالغہ آرائی بھی ہو جاتی ہے-"

حالانکہ امام بخاریؒ جس اثر کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں مصنف عبدالرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے :-

عبدالرزاق عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له أكان ابن الزبير يؤمن على إثر ام القرآن؟ قال نعم ويؤمن من وراءه حتى أن للمسجد للجة ثم قال: إنما آمين دعاء (مصنف ٢/ ٩٧)

"ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا ابن الزبیر سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے' تو انہوں نے کہا ہاں اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے آمین کہتے حتی کہ مسجد گونج اٹھتی' پھر انہوں نے کہا کہ آمین دعا ہی تو ہے-"

اس اثر کو دیکھتے ہوئے جو حضرت علامہ کاشمیریؒ پر مخفی نہ رہا ہو گا اس لئے کہ علامہ عینی نے شرح البخاری میں اسے مکمل طور پر ذکر کیا ہے' ان کی رکیک تاویل کو نتائج التقلید کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے' بلکہ مصنف کے اسی صفحہ پر یہ اثر بھی مذکور ہے :-

"عبدالرزاق عن ابن جريج قال قلت لعطاء آمين؟ قال لا ادعها ابدا "قال إثر أم القرآن فی المكتوبة والتطوع؟ قال ولقد كنت اسمع الآئمة يقولون علی إثر أم القرآن آمين هم أنفسهم ومن ورائهم حتی أن للمسجد للجة"

"ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا آمین (کہنا چاہیئے)؟ انہوں نے کہا کہ میں تو کبھی نہیں چھوڑ سکتا' انہوں نے پوچھا سورہ فاتحہ کے بعد فرض اور نفل میں؟ انہوں نے جواب دیا میں تو آئمہ کو سنتا تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد کہتے تھے وہ بھی اور ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بھی یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔"

اس اثر کا ایک ایک لفظ بول رہا ہے کہ نہ اسے قنوت نازلہ پر محمول کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو صرف عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تک محدود قرار دیا جا سکتا ہے' حضرت علامہ صاحب نے دونوں کام حنفیت کی خدمت سمجھ کر سر انجام دے دیئے اسی قسم کی کارروائیوں میں اپنی عبقریت صرف کر کے علامہ کاشمیری سمجھتے تھے کہ میں نے حنفیت کو اس طرح مستحکم کر دیا ہے کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس کی بنیادیں غیر متزلزل رہیں گی۔(دارالعلوم دیوبند نمبر صفحہ ۳۱۴)

اور ان کے فرزند ارجمند سید انظر شاہ کاشمیری فخریہ بیان فرماتے ہیں کہ : حنفی مکتبۂ فکر کی تائید میں جو کام اللہ تعالیٰ نے آپ سے لیا اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو اس حقیقت کے بیان میں بھی کوئی تامل نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عہد میں حنفیت کے استحکام کے لئے پیدا کیا ہے۔(ایضاً)

لیکن حدیث اور اہل حدیث کے ساتھ یہی جفائیں ان کے ضمیر کی خلش بن گئیں' اور آخر عمر میں ان کو یاد کر کے پشیمان ہوتے رہے' جیسا کہ ان کی تلمیذ رشید مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بیان فرماتے ہیں :

"قادیان کے جلسے کے موقع پر نماز فجر کے وقت حاضر ہوا تو دیکھا کہ

حضرت کاشمیری صاحب سر پکڑے مغموم بیٹھے ہیں میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے ؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کر دی، میں نے عرض کیا آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے، اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں آپ کی عمر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی ؟ فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے ؟ فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ تھا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کر دیں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا، اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی" (وحدت امت ۱۸)

تینوں مسائل میں مولانا کے استدلال میں کوئی نئی بات نہ تھی، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ حنفیت کا دستور بھی میخانہ مغرب سے مختلف نہیں کہ جہاں ؎

لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

چنانچہ ان کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اس قدر مسحور ہوا کہ بجائے اس کے کہ مولانا کی توجہ اس جانب مبذول کراتا کہ آپ کی تقریر دلپذیر میں ذکر کیے گئے مسائل میں اختلاف کی بنیاد قرآن کی طرف رجوع یا عدم رجوع نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ حضرات سنت مطہرہ کو اس کا اصل مقام دینے پر آمادہ نہیں ہیں کہنے لگا :-

"واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیت بعض مسائل میں صحیح احادیث پر عمل نہیں کرتے-"

لیکن حضرت نے اس اشکال کو دور کرنے کی بجائے اسے مزید الجھا دیا فرمایا پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو اور ساتھ ہی یہ قید بھی لگا دی کہ صحیح حدیث کی

تعریف میں کسی کی تقلید نہ کی جائے.....الخ۔

مولانا کا یہ انداز حق اور حقیقت کے متلاشی ایک طالب علم کو راہ حق دکھانے والے مشفق ناصح کے بہ نسبت ایک شاطر وکیل سے زیادہ مشابہت رکھتا نظر آتا ہے جو کمزور اور غلط موقف کے باوجود محض لفظوں کے ہیر پھیر سے مقدمہ جیتنے کی کوشش کر رہا ہو' اور جس کی کامیابی کا سارا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ ان کا مدمقابل ان کے موقف کی کمزوریوں سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتا' ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی کہ ایک شخص جو اہل حدیث ہو گیا تھا تحقیق اور اتباع دلیل کے گناہ سے توبہ کر کے تقلید کے دام تزویر کا نخچیر ہو کر ان کے دست حق پرست پر پھر سے حلقہ بگوش حنفیت ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔

وصدق اللہ العظیم :

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَاهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾

کاش وہاں سچ مچ کوئی اہل حدیث طالب علم ہوتا' اور اس دام تزویر میں پھنسنے کی بجائے مولانا کو بھی ان مغالطوں سے نکال لاتا اور عرض کرتا کہ حضرت : اجماعی مسائل میں اجماع پر اعتماد تقلید کے دائرے میں نہیں آتا (التحریر الکمال ان الھمام ۴/۱۴۱ وفواتح الرحموت ۲/۴۰۰)

صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے :

"الحديث المسند الذى ينقل اسناد العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه ولايكون شاذا ولا معللا..."

فهذا هو الحديث الذى يحكم له بالصحة بلا خلاف بين أهل الحديث (مقدمة ابن الصلاح ص ۸۲)

"وہ باسند حدیث جس کی سند اس طرح متصل ہو کہ ہر راوی عادل ہو اور جس سے وہ روایت کرتا ہے وہ بھی عدل وضابط ہو اسی طرح سند کے آخر

تک اور وہ حدیث علت سے محفوظ اور شذوذ سے مبرا ہو' ان اوصاف کی حامل حدیث پر ہی صحت کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اہل حدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

گویا اس پر محدثین کا اجماع ہے اور اجماع کا تتبع تقلید نہیں کہلاتا' بلکہ اسے تو یہ بھی پوچھنا چاہئے تھا کہ اگر تعریفات و مصطلحات میں اہل فن پر اعتماد کرنا بھی تقلید ہی ہے تو آپ نے بایں شان و بایں شوکت "قواعد فی علوم الحدیث" میں ایک "شافعی مقلد" (حافظ ابن حجر) کی تقلید کیوں کی' جب کہ ایسا کرنا شریعت تقلید میں شریعت اسلامیہ کے مؤکد حرام سے بھی زیادہ حرام ہے۔

مولانا نے اپنے شاگرد کو ورطہ حیرت سے نکالنے کی بجائے اس طرح ہپناٹائز کیا کہ وہ "معمول" کی طرح انہی کی زبان بولنے لگا:

"میں سمجھ گیا واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے پھر بخاری' مسلم' ترمذی وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام مالک اور شافعی کی تقلید ناجائز ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے"

مولانا کے ان افکار میں جو انہوں نے اپنے شاگرد کے الفاظ میں بیان فرمائے کافی وزن ہوتا اگر امام ابو حنیفہ نے اپنے تمام دلائل بیان فرمائے ہوتے اور اپنی مستدل احادیث پر صحت کا حکم لگایا ہوتا' لیکن یہاں صورت حال یہ ہے کہ اکثر اوقات معاملہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں صرف رائے پر عمل کرنے کا ہوتا ہے۔

مثلاً متفق حدیث میں ہے:

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَ إِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ" (صحيح البخاری باب من أدرك ركعة من العصر قبل المغرب)

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص نماز عصر کا ایک سجدہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پالے تو اسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لے اور جب نماز کا ایک سجدہ طلوع آفتاب سے پہلے پالے تو اسے چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لے۔"

امام نووی کہتے ہیں کہ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ جس شخص نے صبح یا عصر کی نماز سے ایک رکعت پڑھ لی تھی کہ وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ نماز مکمل کرے گا اور اس کی نماز درست ہوگی' اور اس بات پر عصر کی نماز کی حد تک تو اجماع ہے اور صبح کی نماز کے متعلق امام مالک' شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر تمام علماء یہی کہتے ہیں سوائے امام ابو حنیفہؒ کے کہ ان کا قول یہ ہے اس صورت میں نماز فجر کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو وہ باطل ٹھہرے گی کیونکہ ایسا وقت داخل ہو گیا جس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے' برخلاف سورج غروب ہونے کے (فیض الباری ۲/ ۱۱۹)

علامہ انور کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

"مختصر یہ ہے کہ حدیث مذکور کی رو سے نماز فجر اور نماز عصر میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کا ظاہر جمہور کے مذہب کی تائید کر رہا ہے' اور حنفیہ نے یہ کہہ کر کہ نماز عصر کا وقت ناقص حصہ پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ فجر کا وقت ایسا نہیں ہے نماز فجر اور عصر میں فرق کیا ہے اس طرح انہوں نے حدیث کے ایک حصے پر عمل کیا ہے اور دوسرا حصہ قیاس کو بروئے کار لاتے ہوئے ترک کر دیا ہے۔" (فیض الباری ۲ / ۱۲۰)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور ختم اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دگنا ہو جائے (فئی زوال نکال کر) (قدوری ۴۳)

امام صاحب کے اس قول کی تائید میں نیموی جیسے راسخ الحنفیت تلاش بسیار کے باوصف کوئی حدیث نہیں پاتے اور تھک ہار کر اعلان کرتے ہیں :

"و إني لم أجد حديثا صريحا صحيحا او ضعيفا يدل على أن وقت الظهر إلى أن يصير الظل مثليه" (آثار السنن ٥٣)

"مجھے کوئی ایسی واضح حدیث صحیح تو کجا ضعیف بھی نہیں مل سکی جو اس بات پر دلالت کرے کہ نماز ظہر کا وقت سائے کے دو مثل ہونے تک رہتا ہے۔"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑکے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کی طرف سے (الجامع الصغیر ص ٤٩٥)

اور اس بارہ میں علماء احناف خاموش ہیں کہ امام صاحب نے اس خیال کی بنیاد کس حدیث پر رکھی اس لئے مولانا نے اپنے شاگرد کو استادی طریقے سے تعریفات میں الجھا کر خاموش کرانا ہی مناسب سمجھا' علاوہ ازیں مولانا سے بڑھ کر کون واقف ہو گا کہ "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قیاس کے بالمقابل ضعیف حدیث پر عمل کرنا بہتر سمجھتے تھے" خود انہوں نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں بھی ذکر کیں ہیں' اس لئے یہ تاثر دینا کہ محدثین کی طرح انہوں نے بھی احادیث کی تصحیح کی ہے اور جس طرح "اہل حدیث" بخاری' مسلم' ترمذی وغیرہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث کو صحیح باور کر لیتے ہیں تو احناف نے امام ابو حنیفہ کی تصحیح پر اعتماد کر لیا ہے" بدترین مغالطہ ہے' مولانا کا ادب مانع نہ ہوتا تو اسے بلا تامل دجل بھی کہا جا سکتا تھا' اس لئے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل میں حدیث کی تصحیح تو کجا حدیث ذکر ہی نہیں کی' جب کہ محدثین جزاھم اللہ عن الإسلام خیر الجزا نے اسانید ذکر کر کے حجت قائم کی' اہل حدیث کثر اللہ سوادھم نے رجال اور صحت سند و متن کی شروط معتبرہ و مجمع علیہا کو مد نظر رکھا اور ان کی روشنی میں احادیث کو پرکھا' یہ نہیں کہ جسے ترمذی نے صحیح کہہ دیا اسے صحیح مان لیا ہو ورنہ جامع الترمذی اور امام بخاری کی الجامع الصحیح میں تفاوت نہ ہوتا' البتہ صحیحین کی احادیث کو اصول نقد حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اہل علم کا اعتماد یقین میں بدلتا گیا' اور بقول علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ علماء نے ایک ایک حدیث کے طرق کا تتبع کیا' اس کے رجال کی

تحقیق کی سند کو ہر طرح سے جانچا تو انہیں ان کی صحت کا یقین ہوا' اگرچہ بصیرت و بصارت سے محروم افراد اس یقین کی دولت سے تہی دامن ہی رہے (فیض الباری مقدمہ ۴۵)

نیز اس سے مولانا کی وہ طویل بحث جو انہوں نے احادیث کی صحت کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہوئے فرمائی لاطائل ہو کر رہ گئی' مولانا فرماتے ہیں :-

"بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلول ہوتی ہے اور علت کی معرفت حاذقین کو ہوتی ہے ہر محدث کو نہیں ہوتی"

کاش مولانا اپنے افکار کی ہلاکت افرینی کا کچھ اندازہ فرما سکتے اور حدیث پر براہ راست عمل کرنے کی ہمت نہ تھی تو کم از کم امام ابو حنیفہؒ کے قول : **إذا صح الحديث فهو مذهبي** پر ہی عمل کر لینے کی توفیق پاتے اور محض اہل حدیث سے ضد کی بنا پر پورے ذخیرہ حدیث کی صحت کو مشکوک بنانے کی سعی نامشکور اور لاحاصل سے بچ جاتے' کیا اسی انداز کو "**اعلاء السنن**" کہا جاتا ہے؟ حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ سنت کا ایک حصہ متواتر و مستفیض ہے جو علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے اخبار احاد میں سے بھی بہت سا ذخیرہ امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے سند اعتماد پا چکا ہے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

"**أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع و إنهما متواتر ان إلى مصنفيهما و أن كل من يهون أمرهما فهو متبع غير سبيل المؤمنين**" (حجة الله البالغة ١/١٣٤)

"جہاں تک صحیحین کا تعلق ہے تو تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں اسفار میں جتنی احادیث متصل مرفوع ہیں سب کے سب قطعی طور پر صحیح ہیں یہ کتابیں اپنے مؤلفین تک متواتر ہیں' اور جو کوئی (ان میں مذکور احادیث کی صحت شکوک و شبہات پیدا کر کے) ان کے مقام و مرتبہ کو کمتر ثابت

کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور اہل اسلام کے مخالف راستہ پر چلنے والا ہے۔"

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

"اختلفوا فی أن أحادیث الصحیحن هل تفید القطع أم لا فالجمهور إلی أنها لا تفید القطع و ذهب الحافظ رضی الله عنه إلی أنها تفید القطع و إلیه جنح شمس الآئمة السرخسی رضی الله عنه من الحنفیة والحافظ ابن تیمیة من الحنابلة والشیخ عمرو بن الصلاح رضی الله عنه وهؤلاء و إن کانوا أقل عددا إلا إن رأیهم هو الرأی" (فیض الباری مقدمة ٤٥)

"صحیحین کی احادیث 'کیا علم قطعی کا فائدہ دیتی ہیں ؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے جمہور کا خیال ہے کہ قطعی علم حاصل نہیں ہوتا 'جب کہ حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ ان سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہے 'احناف میں سے شمس الآئمہ سرخسی' حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نیز حافظ ابن صلاح کا رجحان اسی طرف ہے کہ اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے' یہ لوگ اگرچہ تعداد میں نسبتاً کم ہیں لیکن ان کی رائے ہی درست ہے"

ان علماء جہابذہ کی رائے کے ہوتے ہوئے صحیحین کی احادیث کو صحیح کہنے والے پر تقلید کی پھبتی قرین انصاف نہیں ہے' صحیحین کی جملہ احادیث اور باقی دواوین حدیث کی وہ مرویات جنہیں امت کا تلقی بالقبول حاصل ہو چکا سب کی سب مفید علم قطعی ہیں ان کی تصحیح اور اتباع کو تقلید نہیں کہا جاسکتا' لیکن مولانا کی نظر اس عظیم ذخیرے کی بجائے ان مرویات پر جاکر ٹھہرتی ہے جن میں علت خفی ہوتی ہے "بعض دفعہ سند کے راوی ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے" وصدق اللہ :

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ (آل عمران ـ ۷)

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تا کہ فتنہ برپا کر دیں۔"

اسی ٹیڑھی نظر کے فیض سے حضرت نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بصیرت افروز دل کشا تقریر کو لفظوں کا ہیر پھیر بنا کر رکھ دیا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں (جسے مولانا نے بتکرار اعلام الموفقین لکھا ہے اور اس کی اس غلط فہمی پر ملک شام کے حنفی عالم ابو غدہ اپنی حیرت بھی نہیں چھپا سکے) مسئلہ تقلید پر نہایت بسط سے کلام فرمایا ہے' مروجہ تقلید کے بطلان پر کتاب و سنت اور سلف امت کے عمل اور آئمہ کی تصریحات سے مقلدین پر اتمام حجت کر دیا ہے' مقلدین پر ایسے سوالات وارد کئے کہ امت تقلید اب تک خاموش ہے' ان کے تمام شبہات میں سے ہر ایک کے کئی کئی طرح سے مقنع اور شافی جواب دیئے ہیں' اسی ضمن میں مقلدین کا ایک شبہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

> تم (مخالفین تقلید) جن احادیث و آثار سے تقلید کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہو تم خود ان کے نقل کرنے والوں اور روایت کرنے والوں کے مقلد ہی تو ہو' عالم راوی کی تقلید پر مجبور ہے' تو قاضی گواہ کا مقلد ہونے پر مجبور ہے' اسی طرح عامی عالم کی تقلید کرتا ہے... الخ

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں...

> "اس کا جواب ہم پہلے بھی دے چکے ہیں کہ جسے تم تقلید کا نام دے رہے ہو یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پیروی ہے' اگر یہ تقلید ہے تو روئے زمین پر صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد کا ہر عالم مقلد ہی ہوگا' بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم و روایت اخذ کی وہ بھی مقلد ہی ٹھہریں گے اس قسم کا استدلال تو صرف شورا شوری اور سینہ زوری کرنے والے کرتے ہیں یا تلبیس کار جو باطل پر حق کا ملمع کر کے الجھانا چاہتے ہیں' یہ اہل تقلید کی جہالت کا شاخسانہ ہے کہ صحیح قسم کی تقلید کو

لے کر اس سے اس قسم کی تقلید ثابت کرنا چاہتے ہیں جو سراسر باطل ہے' قدر مشترک کو لے لینا اور ان میں موجود واضح فرق سے آنکھیں بند کر لینا ہے یہی وہ باطل قیاس ہے جس کے مذموم ہونے پر اتفاق ہے اور جو اس باطل تقلید کی سگی بہن ہے' اور دونوں برابر طور پر باطل ہیں۔"

جب اللہ تعالیٰ خود سچی خبر کو حجت قرار دیں' شہادت عادلانہ کو حجت قرار دیں تو اس حجت کی اتباع کرنے والوں کو مقلد نہیں کہا جا سکتا' اور اگر حجت کی پیروی کرنے والا مقلد ہے تو وہ دلیل کا مقلد ہے نہ کہ کسی شخص کا اور ایسی تقلید سو بار مبارک' یہی تو ہماری دعوت ہے۔ واللہ المستعان۔ (اعلام الموقعین ۲ / ۲۶۹)

اس سے چند صفحات بیشتر وہ کہہ چکے ہیں :-

کسی کی خبر' اقرار یا شہادت قبول کرنے کا' فتاویٰ میں تقلید سے کیا تعلق؟ ان امور کی خبر دینے والا ایسے محسوس امر کی خبر دیتا ہے جسے معلوم کرنے کا ذریعہ اس کی ظاہری و باطنی قوت احساس و شعور ہے' اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب ایسا شخص خبر دے جو تمہیں صادق و عادل نظر آتا ہے تو اس کی دی ہوئی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اسے قبول کرو اسی قاعدے کے مطابق جب کوئی خبر دے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا یا ایسا فرمایا تو اس کی اطلاع کو قبول کیا جائے گا اور اس اطلاع دینے والے سے سن کر آگے خبر دے گا' اور اسی طرح آگے تک تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد چند مزید مثالیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

یہ تمام نظائر ان اخبار و اطلاعات کی قسم سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اطلاع دینے والے کے صادق و عادل ہونے کی صورت میں اسے قبول کرنے کا حکم دیا ہے' تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ ایک آدمی کہہ دے کہ یہ ہدیہ ہے تو اس کی بات قبول ہوگی' زفاف کے وقت خبر واحد ہی یہ بتانے کے لئے

کافی ہوگی کہ یہ اس کی بیوی ہے' اسی طرح عورت کی بات اس کی ماہواری کے انقطاع کے متعلق مانی جائے گی وہ مسلمان ہو یا کتابیہ' ان میں سے کوئی بھی فتوی اور احکام میں تقلید کی قسم سے نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ۲/ ۲۵۵)

واضح ہے کہ کتابیہ کی اپنے بارے میں مخصوص معاملات میں شہادت قبول کرنے والا مفتی اور قاضی یا اس کا شوہر اس کا مقلد تو نہیں ہوگا' اگر محض شہادت اور خبر پر اعتماد کرنا اور اس کے مطابق شرعی احکام بجا لانا تقلید ہے تو اعرابی کی اطلاع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشاد :-

"فأذن في الناس يا بلال أن يصوموا غدا" (سنن اربعة' ابن خزيمة وغيره)

"بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔"

کو کیا کہا جائے گا؟

اس سیدھی اور واضح تقریر میں مولانا نے اپنی مرضی سے تبدیلی فرمائی اور روایت اور شہادت کی بجائے احادیث کی تصحیح اور تضعیف پر اعتماد لکھ کر ابن قیم رحمہ اللہ کے ذمہ وہ بات لگا دی جو انہوں نے نہیں کہی تھی' اور ساتھ ہی اس پر الفاظ کی ہیرا پھیری کی پھبتی کس دی' اسے کہتے ہیں :-

رمتني بدائها وانسلت

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ پر مولانا کی برہمی کا سبب صرف یہ ہے کہ ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا کوئی جواب اب تک امت تقلید سے نہیں بن پڑا' اور کسی نے سچ ہی تو کہا ہے :-

"إذا عجز الإنسان طال لسانه"

"جب انسان سے کچھ بن نہ پڑے تو وہ زبان درازی پر اتر آتا ہے"

"اعلام الموقعین" میں تقلید کے متعلق باب میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

"ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص

بھی ایسا نہ تھا جس نے کسی ایک فرد کو اس کے تمام اقوال میں تقلید کے لئے
چن لیا ہو' اور اس کے سوا کسی دوسرے کی ایک بات بھی نہ مانتا ہو اور ہم یہ
بھی یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ایسا تابعین کرام تو کیا اتباع تابعین کے زمانے
میں بھی نہ ہوا تھا مقلد ہمارے بیان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کسی ایک
شخص کا نام تو لیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے مطابق
فضیلت پانے والے زمانوں میں وہ مکروہ راستہ اختیار کیا ہو جس پر مقلد
حضرات گامزن ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ بدعت تقلید چوتھی صدی میں ظہور پذیر ہوئی جسے رسول
اکرم ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے مذموم قرار دیا تھا....."

ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں :۔

"جو کسی ایک کی تقلید کرتا ہے ہمارا اس سے سوال ہے کہ تمہارے امام میں
کون سی خصوصیت ہے کہ دوسروں کو چھوڑ کر اس کی تقلید کی جائے اگر وہ
کہے کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا تو اس سے پوچھا جائے گا تمہیں
اس بات کا کیسے علم ہوا؟ تم اپنے بارے میں جاہل ہونے کا اقرار کرتے ہوئے
یہ فیصلہ کیونکر دے سکتے ہو کہ وہ اپنے وقت میں امت کا سب سے بڑا عالم تھا'
یہ بات تو صرف وہ جان سکتا ہے جسے مذاہب کے اقوال ان کے دلائل اور ان
میں راجح اور مرجوع کا علم ہو وما للأعمى و نقد الدراهم یعنی اندھا کیا
جانے لالے کی بہار" (اعلام الموقعین ۲ / ۲۰۸)

مولانا نے ابن قیم رحمہ اللہ کی اس بصیرت افروز تقریر پر غور کرنے کی بجائے
اسے ہیرا پھیری قرار دے کر طنز و تعریض کا نشانہ بنانا چاہا' حالانکہ :۔

"صاحب البيت أدرى بما فيه"

کے بمصداق مولانا سے زیادہ کون جانتا ہو گا کہ سینہ زوری اور ہیرا پھیری بازار کوفہ کی
مشہور و مروج اجناس ہیں' اللہ تعالیٰ کے فضل سے اہل حدیث اس جنس کے خریدار ہیں

نہ محتاج-وللہ الحمد-

ما اہل حدیثم و غار انشنا سیم
در قول نبی چون و چرار انشنا سیم

ایک اہم نقطہ :-

اس سلسلہ میں ایک اہم نقطہ جسے حضرات مقلدین ہمیشہ نظر انداز کئے رکھتے ہیں یہ ہے کہ علت و معلول صرف حدیث اور اسناد حدیث کا ہی خاصہ نہیں' بلکہ اس کا خدشہ وامکان ہر اس علم و فن میں ہو گا جس کی بنیاد اخذ و تلقی پر ہو گی' اگر سند کے راوی ثقہ ہوتے ہوئے بھی کبھی حدیث معلل ہو سکتی ہے تو اس بات کا امکان کہیں زیادہ ہے کہ آپ حضرات جس کو امام ابو حنیفہؒ کا قول سمجھ کر اندھا دھند تقلید کئے جا رہے ہیں اور اس کے بالمقابل صحیح ترین احادیث اور موثوق ترین دلائل کو خاطر میں نہیں لاتے وہ سرے سے ان کا قول ہی نہ ہو' احادیث کے رواۃ سے اگر خطا کا صدور ہے تو ناقلین اقوال آئمہ معصوم عن الخطا تو نہ تھے' حدیث کے بالمقابل فقہی روایات میں سلسلہ اسناد کے طوالت کے پیش نظر یہ امکان چند در چند بڑھتا ہی چلا جاتا ہے' نیز حدیث میں اقوال و افعال کی نبی ﷺ کی طرف نسبت کرنے کی ذمہ داری کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے جہابذۂ فن حدیث اور آئمہ جرح و تعدیل نے تحقیق و تحری کے جو معیار قائم کئے اور اس میدان میں حزم و احتیاط کی جو مثالیں قائم کی ان کا عشر عشیر بھی فقہی اقوال کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا' بلکہ بعض مقامات پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعارض اقوال میں ترجیح و اختیار کے لئے کوئی مناسب اور موزوں معیار نہ ہونے کی وجہ سے متاخرین حنفیہ کوئی واضح موقف اختیار کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں- چنانچہ مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ شوال کے چھ روزوں کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"نسب إلى أبى حنيفة و مالك كراهتها و إلى الشافعي و أحمد استحبابها" و النقول التى حكاها المتأخرون من ابن نجيم والكمال' و ابن الكمال و غيرهم من علمائنا مضطربة ' ولكن

أفرد هذا الموضوع المحقق العلامة الحافظ قاسم بن قطلوبغا برسالة خاصة سماها- تحرير الأقوال فی صوم الست من شوال- و حقق من نصوص المذهب استحبابها عند أبی حنيفة و أبی يوسف ثم اختلفوا هل الأفضل التفريق اور التتابع بعد الإتفاق بأداء أصل الفضيلة بأی طريق كان من غير كراهة و اختار أبو يوسف التفريق وراجع للتفصيل ردالمختار"(معارف السنن ٥/٤٤٣)

"ابو حنیفہ اور مالک کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ (شوال کے روزوں کو) مکروہ سمجھتے تھے' جب کہ شافعی اور احمدؒ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں مستحب جانتے تھے' ابن نجیم' کمال اور ابن کمال وغیرہ ہمارے علماء متاخرین نے اس بارے میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے' تاہم محقق علامہ حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام انہوں نے "تحرير الأقوال فی صوم الست من شوال" رکھا ہے اس میں انہوں نے مذہب (حنفی) کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول بھی ان کے استحباب کا ہے اس اتفاق کے بعد کہ یہ روزے فضیلت رکھتے ہیں اور ان میں کوئی کراہت نہیں (ہمارے علماء کا) اختلاف ہے کہ افضل ان کا مسلسل رکھنا ہے یا متفرق دنوں میں رکھنا"

جب اس قسم کے مشہور مسائل میں بھی امام صاحب کے قول یا اقوال کا یہ حال ہے تو سمجھنا مشکل نہیں کہ حضرات مقلدین کا دواوین فقہ میں آئمہ کی طرف منسوب اقوال پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آنا اور صحیح اور متفق علیہ اسانید کی موجودگی میں احادیث رسول ﷺ کے بارہ میں اندیشہ ہائے دور دراز کا شکار ہو جانا اپنے ایمان و اسلام کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اگر سند کا معیار حدیث اور فقہی روایات میں یکساں بھی ہو (وأنی لهم

ذلك) تو فقہی اسناد ہمیں زیادہ سے زیادہ یہ خبر بہم پہنچائے گا کہ فلاں امام (مثلاً ابو حنیفہؒ) کا فہم و اجتہاد اس مسئلہ میں یہ تھا' ان کا فتویٰ و موقف غلطی سے مبرا تو بہر حال نہیں ہے۔

جب کہ حدیث کی سند ہماری دستگیری کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ تک جا پہنچاتی ہے' جو

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى. إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى﴾

کے عظیم الشان اور منفرد مقام پر فائز ہیں' جس میں ان کا کوئی سہیم اور مقابل نہیں ہو سکتا:

﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

مزید بر آں یہ عذر (گناہ بدتر از گناہ) بھی اس مسئلہ میں کیا جانا چاہئے جہاں کسی حدیث کو علماء فن نے معلول قرار دیا ہو' لیکن جن احادیث کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جہابذۂ فن حدیث ان کے صحیح ہونے پر متفق اللسان ہیں' ان کے مقابلہ میں محتمل و مشکوک اقوال آئمہ پر اڑ جانا اور احادیث کو یہی کہہ کر رد کر دینا کہ ممکن ہے یہ معلول ہو سراسر ظلم اور اپنے اوپر اعتماد کرنے والے مقلدین کے ساتھ ؎

آنے والے مجھے کسی طوفان کا رونا رو کر
ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

والا معاملہ کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت مولانا نے کمال فن سے ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت میں ہیر پھیر کر کے اہل حدیث کو تقلید کا الزام دینے کی کوشش کرتے ہوئے جو تاج محل تعمیر کیا تھا وہ تو پادر ہوا ثابت ہوا لیکن ریت کی یہ دیوار گرتے گرتے ان سے اور ان کے ہمنواؤں سے ایک سوال کر گئی کہ وہ حضرات جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف اپنی نسبت تقلید کرتے ہیں در حقیقت کس کے مقلد ہیں' کیونکہ قول کی تحقیق کرنے والے محقق پر اعتماد کو مولانا تقلید کہہ چکے' حنفی کہلانے والے قطلوبغی نکلے کبھی مرغینانی' کبھی طحاوی' کبھی طحطاوی

کبھی حصکفی اور کبھی کیا کیا کچھ ؎

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

اس کے بعد مولانا کا قلم اندھے کی لٹھ بن کر رہ گیا جسے کچھ خبر نہیں کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑ رہی ہے فرماتے ہیں۔

"قرآن کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے اب بتاؤ کہ بغیر آئمہ کی تقلید کے تم قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہر گز نہیں اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہے"

کاش مولانا غور فرماتے کہ بشمول امام اعظم رحمہ اللہ حضرات آئمہ اربعہ رحمھم اللہ نے بھی قرآن کسی سے سیکھا ہوگا اگر اخذ و روایت بھی تقلید ہی ہے تو یہ حضرات جن پر اجتہاد فخر کرتا آیا ہے آپ کی عنایت سے تقلید کے نخچیر ثابت ہوئے ؎

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل

کہ معاملہ

بازی بازی باریش بابا ہم بازی

تک پہنچ گیا۔

مولانا نے درست فرمایا کہ :۔

"محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت و ضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے۔"

لیکن ان کا یہ ارشاد بجا نہیں کہ :۔

"(محدثین نے یہ اصول و ضوابط) اپنے ظن اجتہاد سے مقرر کئے"

اس لئے کہ اہل حدیث کے اکثر اصول منصوص اور مجمع علیہ ہیں حتی کہ حنفیہ کو بھی ان سے اختلاف نہیں ہے' چنانچہ وہ بھی تصحیح و تحسین حدیث میں انہی کا اعتبار کرتے آئے ہیں' خود مولانا مقدمہ اعلاء السنن میں رقمطراز ہیں :۔

"مع تصحيح الأحاديث أو تحسينها على الأصول المتلقاة

بالقبول عند علماء الرواية" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۸۱)

"علماء روایت (محدثین) کے ہاں متداول و مقبول قواعد و ضوابط کے مطابق حدیث کو صحیح یا حسن ثابت کیا گیا ہے۔"

اہل حدیث بحمد اللہ و توفیقہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حدیث کے بعض قواعد میں علماء حدیث و فقہ کے مابین کچھ اختلاف پایا جاتا ہے' اور وہ اس کا اعتبار بھی کرتے ہیں' لیکن معاملہ تو وہاں بگڑتا ہے جہاں حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کیا جاتا' اور حافظ زیلعی جیسے منصف مزاج بھی یوسف أعراض عن هذا کے انداز میں لکھتے ہیں :-

"وهذه الأحاديث أيضا مشكلة عن مذهبنا في القول ببطلان صلاة الصبح إذا طلعت عليها الشمس" (نصب الراية ۱/۲۲۹)

"یہ احادیث بھی ہمارے مذہب پر بہت بھاری ہیں' کیونکہ ہم ان کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے اگر سورج طلوع ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے" (مسئلہ پہلے ذکر ہو چکا ہے)

اور حضرت شیخ الہندؒ کا یہ ملفوظ تو تمام عالم کو حیرت زدہ کر کے شہرت حاصل کر چکا ہے :-

"ورجح مولانا شاه ولى الله المحدث الدهلوى قدس الله سره فى عمله مذهب الشافعى من جهة الأحاديث والنصوص و كذلك قال شيخنا مدظله بترجيح مذهبه وقال: الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعى فى هذه المسألة و نحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبى حنيفة" (تقرير الترمذى ص ۳۶)

"مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے بہت سے رسائل میں اس مسئلہ (خیار مجلس) میں احادیث اور نصوص کے اعتبار سے شافعی مذہب کو ترجیح دی ہے اس طرح ہمارے شیخ مدظلہ بھی شافعی کے مذہب کے راجح

ہونے کے قائل تھے' چنانچہ فرمایا: حقیقت اور انصاف کی بات تو یہی ہے
اس مسالہ میں شافعیؒ کا قول قوی تر ہے' لیکن ہم مقلد ہیں ہم پر اپنے امام ابو
حنیفہ کی تقلید واجب ہے۔"

جب صورت حال یہ ہو وہاں مولانا کا یہ فرمانا کہ "ہو سکتا ہے ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہو اور ہمارے اصول پر ضعیف ہو" عذر لنگ کے سوا کیا ہے؟

تقلید کے حق میں دلائل کے انبار لگانے کے بعد مولانا یک بیک دعوت "اجتہاد" دیتے ہیں فرمایا: (دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں)

اس چھوٹے سے جملہ سے مولانا کے طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے یعنی ؎

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں

آخر میں مولانا نے انتہائی مضحکہ خیز دعوی کیا ہے کہ:

"حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا' دلیل اس کی یہ دی ہے
کہ حنفیہ تو قرون ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو
اہل حدیث رد کر دیتے ہیں اور مراسیل اور مقاطیع کا ذخیرہ احادیث مرفوعہ
سے کم نہیں کچھ زیادہ ہی ہے' تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو
چھوڑتے ہیں۔"

مولانا نے بہت عنایت فرمائی مراسیل و مقاطیع کے ساتھ "مواضیع" (موضوعات) کو بھی ملا لیا ہوتا تو آپ کی معمول بہا اور اہل حدیث کی ترک کردہ احادیث کا ذخیرہ دو چند ہو سکتا تھا۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

"مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں ضعیف کو رد کر
دیتے ہیں۔"

گویا اہل حدیث صحیح حدیث پر عمل کریں اور ضعیف کو رد کریں تو گردن زدنی' اور

آپ حضرات ضعیف و موضوع پر عمل کریں اور صحیح ترین احادیث کو رد کریں اور عمل بالحدیث کا طرہ بھی اپنی دستار میں سجانا چاہیں ؎

جو چاہے آپ کو حسن کرشمہ ساز کرے

ویسے واقعہ مولانا کے اس دعوی کی بھی تصدیق نہیں کرتا احناف جب رد کرنے پر آتے ہیں تو صحیح، ضعیف احادیث اور آثار صحابہ و تابعین میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، مثال کے طور پر فجر کی سنتوں کا مسئلہ لے لیجئے، آثار السنن میں ہے :

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ" (رواه الترمذى و اسناده صحيح)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں سورج نکلنے کے بعد پڑھے" (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

اور اسی مقام پر ہے :

"عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه أنه صلى ركعتى الفجر بعد ما أضحى" (رواه أبو بكر بن أبى شيبة و اسناده حسن)

"نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی سنتیں سورج نکلنے کے بعد پڑھیں" (اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)

"عَنْ قَيْسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِي أُصَلِّي فَقَالَ مَهْلاً يَاقَيْسُ أَصَلَاتَانِ مَعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ فَلَا إِذَنْ" (رواه الأربعة إلا النسائى و أحمد و أبو بكر بن أبى شيبة والدار قطنى والحاكم والبيهقى "قال النيموى اسناده ضعيف" (آثار السنن ٢٣٠)

”قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اقامت ہوئی تو میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر آپ لوٹے تو مجھے نماز پڑھتے دیکھا' فرمایا ٹھہرو قیس' کیا دو نمازیں ایک ساتھ ؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! فجر کی (پہلی) دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا فرمایا پھر کوئی حرج نہیں“ (اسے نسائی کے سوا اصحاب سنن اربعہ نیز امام احمد' ابو بکر بن ابی شیبہ' دار قطنی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے' نیموی نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے)

لیکن سادات حنفیہ فرماتے ہیں :

”وإذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس لأنه يبقى نفلا مطلقا وهو مكروه بعد الصبح ' ولا بعد إرتفاعها عند أبى حنيفة و ابى يوسف“ (الهداية ١/٤٧٨)

”اگر فجر کی سنتیں وقت پر نہیں پڑھ سکا تو ان کی قضا نہیں ہے نہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کیونکہ وہ اب مطلق نفل ہو گئی ہیں اور صبح کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور نہ سورج چڑھنے کے بعد قضا پڑھے گا' ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا یہی قول ہے۔“

نیز ملاحظہ ہو فتاوی دار العلوم دیوبند (۴ / ۲۰۳)

اسی طرح سورہ حج میں دو سجدہ ہائے تلاوت کے متعلق مرفوع (بسند ضعیف) اور مرسل روایت موجود ہے لیکن احناف دوسرے سجدہ کو تسلیم نہیں کرتے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۴ / ۴۲۳)

نیز ملاحظہ ہو اعلاء السنن (۷ /۲۴۱)

لیکن اس کے باوجود مولانا بہ تکرار فرماتے ہیں :

”حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے بلکہ قول صحابی و قول تابعی کبیر بھی قیاس پر مقدم ہے۔“

یہ ادعائے محض ہے، بہت سی مثالیں ذکر کی جاچکی ہیں جن میں صحیح احادیث کو رد کر دیا گیا، ان کی طرف رجوع طبع نازک پر گراں ہو تو ایک مثال اور دیکھ لیں۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

"قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لاَ تُصَرُّوا الإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَ إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَ صَاعَ تَمْرٍ" (صحیح البخاری کتاب البیوع)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹنیوں اور بکریوں کا تصریہ نہ کرو (جب کسی دودھ والے جانور کو بیچنا مقصود ہو تو کئی وقت اس کو نہیں دوہتے خریدار دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا دودھ بہت زیادہ ہے اس عمل کو تصریہ یا تحفیل کہتے ہیں) جو شخص ایسا جانور خرید لے اسے دوہنے کے بعد اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ایک صاع کھجور کے ہمراہ واپس کر دے۔"

امام بخاری نے اس حدیث کے معاً بعد فقیہ امت محمدؐیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ باسند ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں :

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضى الله عنه قَالَ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ" (صحیح البخاری کتاب البیوع باب النهى للبائع أن يحفل الإبل و البقر و الغنم و كل محفلة)

"جو ایسی بکری خریدے جس کی تحفیل کی گئی ہو تو اگر واپس کرے تو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایک صاع کھجور دے۔"

سادات حنفیہ کے ہاں اس حدیث پر عمل نہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر، اور جو عذر حنفی فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے اس کی تقریر مولانا حسین احمد دیوبندیؒ کے الفاظ میں یوں ہے :-

"خبر واحد صحیح قیاس پر مقدم ہوتی ہے جب کہ خبر واحد کا راوی فقیہ ہو اگر راوی

فقیہ نہ ہو تو خبر واحد کو قیاس پر ترجیح نہ دی جائے گی“ (تقریر ترمذی ۶۷۵)

کہاں حضرت فخریہ فرمارہے تھے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے اور کہاں حضرت شیخ الھند کا یہ تہور کہ فرماتے ہیں۔

”اس روایت کو امام صاحب نے خلاف قواعد کلیہ شرعیہ سمجھ کر چھوڑ دیا تو کیا غضب ہوا؟“ (تقاریر حضرت شیخ الھند ۱۴۴)

اس مثال سے اور اس سے پہلے ذکر کی گئی مثالوں سے یہ بات واضح ہو چکی کہ فقہ حنفی کے یہ اصول صرف دکھانے کے دانت ہیں۔

اصل معمول بہ قول امام مذہب ہے اور بس آیات قرآنیہ احادیث نبویہ آثار صحابہ و تابعین ان کے موافق ہوں تو فبھا وگرنہ ان کی کوئی حیثیت نہیں' تاویل کے نام پر تحریف کے ہزار طریقے ان کے پاس ہیں' حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے :

”اے جماعت مقلدین تمہارا حال عجیب ہے جب تمہیں کوئی آیت اپنے امام کے قول کے موافق مل جائے تو ظاہر تو یہ کرتے ہو کہ تم اس پر عمل پیرا ہو حالانکہ تمہارا دارومدار اپنے امام کے قول پر ہوتا ہے' آیت پر نہیں' اگر اسی طرح کی آیت تمہارے امام کے قول کے مخالف ہو تو تم اس پر عمل کرنے کی بجائے اس کی تاویل اور اسے ظاہر معنی سے ادھر ادھر کرنے پر پورا زور لگا دیتے ہو کہ وہ تمہارے مذہب کے موافق نہ تھی' بالکل یہی طرز عمل تمہارا سنت کی نصوص میں ہے' اگر تمہیں کوئی حدیث اپنے مذہب کے موافق مل جائے تو اسے لے لیتے ہو اور کہنے لگتے ہو ہماری دلیل فلاں فلاں حدیث ہے' اور جب تمہیں ایک صد سے بھی زیادہ احادیث اپنے امام کے قول کے مخالف ملیں تو تم آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھتے۔۔۔ اگر اپنے مذہب کے موافق مرسل روایت مل جائے تو کہتے ہو ہمارے نزدیک مراسیل حجت ہیں اور جب تمہیں یک صد مرسل دکھائی جائے جو تمہارے امام کے مذہب کے

خلاف ہو تو اول سے آخر تک سب کو رد کردو گے اور کہو گے ہم مرسل پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے بھی عجیب تر تمہارا یہ رویہ ہے کہ بسااوقات تم ایک حدیث پر عمل کرتے ہو مرسل ہو یا مسند اس لئے کہ وہ تمہارے امام مذہب کے قول سے موافقت رکھتی ہے پھر اسی حدیث میں ایک اور حکم ہو جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہو تو تم اس حصے پر عمل نہیں کرتے حالانکہ وہ ایک ہی حدیث ہوتی ہے' گویا کہ اس کا وہ حصہ تو حجت ہے جو تمہارے اس امام کی رائے کے موافق ہے جس کی تم تقلید کرتے ہو اور وہ حصہ حجت نہیں ہے جو تمہارے امام کی رائے کے خلاف ہے۔" (اعلام الموقعین ۲ / ۲۱۴)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے سیال قلم نے جس حقیقت کے بیان میں کئی صفحات کا احاطہ کر لیا علامہ کرخی نے دو سطروں میں بیان کر دیئے تھے۔

"إن كل آية تخالف قول أصحابنا فإنها تحمل على النسخ أو على الترجيح و الأولى أن تحمل على التأويل من جهة التوفيق" (أصول كرخي مع اصول بزدوی ۳۷۳)

"ہر آیت جو ہمارے آئمہ کے قول کے خلاف ہے اسے منسوخ یا مرجوع سمجھا جائے گا بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کر لیا جائے تا کہ موافقت ہو جائے۔"

نیز فرمایا:۔

"إن كل خبر يجئ بخلاف قول أصحابنا فإنه يحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله" (ایضاً)

"ہر حدیث جو ہمارے آئمہ کے قول کے خلاف وارد ہو منسوخ سمجھی جائے گی یا یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی مثل اس کے معارض وارد ہے۔" (ایضاً)

یعنی معاملات پہلے ہی سے طے ہیں اور جواب تیار ہے' یہ ہے حقیقت تقلید اور

مذہب امت تقلید اور مولانا فرماتے ہیں کہ "دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں" وہ خود ہی بتائیں کہ سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ ؎

لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

بہر حال مولانا کی یہ تقریر دلپذیر سن کر شاگرد کہنے لگا "اب میری آنکھ کھل گئی ہے اور میں اہل حدیث کے مغالطے سے نکل گیا ہوں۔"

ہمیں یقین کامل ہے کہ اس کے فوراً بعد مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی ہوگی اور وہ کہہ اٹھے ہوں گے کہ ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا

مولانا غفر الله لنا وله اس وقت اس دنیا میں نہیں' وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ہر قسم کے مغالطے ختم ہو جاتے ہیں' سب حجاب چھٹ جاتے ہیں اور نقاب اتر جاتے ہیں "فبصرك اليوم حديد" ان کے اٹھائے ہوئے سوال بعض ناپختہ ذہنوں کے لئے غلط فہمی کا ذریعہ نہ بن رہے ہوتے تو ہم ان سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھتے بہر حال اب بھی مقصد صرف ممکنہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔

مولانا کا یہ مضمون ماہنامہ البلاغ کراچی کے شوال ۱۳۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا' تو علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر کرنا شروع کیا تھا' علامہ صاحب کی تحریر میں ان کی خطابت کا رنگ' ان کی تقریر کا دبدبہ اور طنطنہ تھا' کثرت اسفار اور متنوع اشغال نے انہیں تکمیل کی مہلت نہ دی حتی کہ ان کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آگیا' اور ان کے بہت سے منصوبوں کی طرح یہ مضمون بھی تشنہ تکمیل رہ گیا۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

نامکمل ہونے کے باوصف یہ تحریر مدلل اور زوردار ہونے کے باعث مقبول

ہوئی' احباب کے اشتیاق نے اسے یکجا دیکھنے کی تمنا کی' تو بطور تمہید اور تعارف کے یہ سطور سپرد قلم کر دیں۔

اس مقام پر ایک بات کہنا از حد ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہی مذاہب پر گفتگو کرتے ہوئے حنفی مذہب کے ضمن میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی آ جاتا ہے' ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مروجہ حنفیت سے امام عالی مقام اسی طرح بری ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام (موجودہ) نصرانیت سے' خلاف نصوص اکثر اقوال کی نسبت ان کی طرف درست نہیں اور جن کی درست ہے ان سے وہ "إذا صح الحديث فهو مذهبي" کہہ کر رجوع فرما چکے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور ان کا یہی فرمان یہ شان رکھتا ہے کہ جس کے بارے میں بجا طور پر اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔

ولعنة ربنا اعداد مل
على من رد قول أبي حنيفة

ربنا اغفرلنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤوف رحيم اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و صلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين

خادم العلم والعلماء
حافظ عبدالحمید ازہر
خطیب محمدی مسجد ایمن آباد
راولپنڈی
۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ ہجری

تقلید کے بارہ میں ایک گفتگو

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا ایک بھانجا مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ ہو کر علیگڑھ میں ایک ڈاکٹر کا کمپونڈر بن گیا' یہ ڈاکٹر جماعت اہل حدیث سے منسلک تھا' اس لئے اپنے کمپونڈر کو بھی جماعت اہل حدیث میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اپنے مسلک کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی تین سال تک وہ اس مسلک کی کتابیں دیکھتا رہا بالآخر غیر مقلد بن گیا تین سال کے بعد حضرت مولاناؒ سے ملنے سہارنپور آیا اور آتے ہی صاف کہہ دیا کہ اب میں حنفی نہیں ہوں بلکہ جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہوں' حضرت مولانا کو بہت افسوس ہوا اور مدرسہ مظاہر العلوم کے علماء سے فرمایا کہ اپنے اس شاگرد کو سمجھاؤ اور اس کے شبہات کا ازالہ کرو' تین دن تک وہ علماء مظاہر العلوم سے گفتگو کرتا رہا اور اپنے مسلک جدید پر جمارہا' اتفاق سے اس زمانے میں یہ بندہ بھی حضرت مولاناؒ سے ملنے کو تھانہ بھون سے سہارنپور پہنچ گیا مجھے دیکھ کر حضرتؒ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا تم بڑے اچھے موقع پر آئے' یہ تمہارا شاگرد حقیقت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہے' تین دن سے علماء مظاہر العلوم اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ اپنی بات پر جما ہوا ہے تم بھی اس کو سمجھاؤ' یہ باتیں ہو رہی تھی کہ وہ بھی مجھ سے ملنے آگیا میں نے کہا بعد عشاء کے مجھ سے ملو' جب وہ وعدہ کر کے چلا گیا حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اس نے تین سال تک اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس لئے نظر وسیع ہو گئی ہے گفتگو میں اس کا لحاظ رہے' میں نے کہا ان شاء اللہ اس کا لحاظ رکھوں گا کہ آپ بھی دعا و توجہ سے مدد فرمائیں' چنانچہ حسب قرار داد بعد نماز عشاء کے وہ میرے پاس آیا جب کہ میں بستر پر لیٹ گیا تھا' وہ پاؤں دبانے لگا' میں نے بھی انکار نہ کیا' آخر تو شاگرد تھا' اب حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ظفر : ہاں صاحب زادے بتلاؤ اب تمہارا مسلک کیا ہے ؟

شاگرد : عمل بالحدیث الصحیح۔

ظفر : بس بالحدیث الصحیح ؟ عمل بالقرآن نہیں ؟

شاگرد : جناب والا عمل بالقرآن تو سب سے پہلے اس کے بعد عمل بالحدیث الصحیح ہے۔

ظفر : اگر تمہارا مسلک ہوتا تو پہلے عمل بالقرآن کو بیان کرتے پھر عمل بالحدیث کا نام لیتے۔

شاگرد : وہ تو ظاہر ہے اس لئے بیان کی ضرورت نہ سمجھی۔

ظفر : یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے، لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث کو اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں' اب میں تم کو بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا اختلاف ہے ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی' قرأۃ فاتحہ خلف الامام ہی مسئلہ لے لو ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا' سورہ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف۔۲۰۴)

"جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو' امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے' امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ یہ آیت باتفاق قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے[1] اس کے بعد ہم نے احادیث کو دیکھا تو کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ :-

---

[1] جن علماء نے اس کو خطبہ جمعہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ ۔۱۲ ظ

”وَإِذَا قَرَأَ الإِمَامُ فَاقْرَؤُا“

جب امام قرأت کرے تم بھی قرأت کرو۔

”فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا“

تو حدیثوں میں موجود ہے۔

”کہ جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو' جب رکوع کرے رکوع کرو جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا و لک الحمد کہو' جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔“

مگر یہ کہیں نہیں کہ جب وہ قرأت کرے تم بھی قرأت کرو بلکہ اگر ہے تو ”وإذا قرأ فانصتوا“ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو' امام مسلمؒ اور امام احمدؒ نے اور بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے' حنفیہ نے اس کو ترجیح دی اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کیا۔

آمین کے مسئلہ میں بھی حنفیہ نے اول قرآن کو دیکھا چونکہ آمین دعا ہے جیسا امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اس لئے دعاء کے بارے میں قرآن کو دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً﴾

”اپنے رب سے تضرع کے ساتھ آہستہ دعا کرو۔“

تو ہم نے مسئلہ میں شعبہؒ کی روایت کو ترجیح دی جس میں وارد ہے:

”فَقَالَ آمِينَ وَ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ“

”آپ نے سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہی اور آواز کو پست کیا۔“

یعنی آہستہ سے آمین کہی' یہ حدیث ترمذی میں ہے۔

نماز کے اندر رفع یدین کے بارے میں بھی ہم نے اول قرآن کو دیکھا تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا:

﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾

اور

﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾

پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو' دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے معنی بھی سکون ہی کے ہیں' اس کے بعد احادیث کو دیکھا تو صحیح مسلمؒ میں روایت موجود ہے کہ صحابہ نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھا کر "السلام علی فلان السلام علی فلان" کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مالي أراكم رافعي ايديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا فى الصلاة"

"یہ کیا حرکت ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم اٹھاتے ہیں' نماز میں سکون سے رہو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے حالانکہ سلام کا وقت نماز میں داخل بھی ہے اور خارج بھی ہے تو رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسے مناسب ہوگا' رکوع تو بالکل داخل صلوٰۃ ہے' ہاں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا درست ہے کہ وہ داخل صلوۃ یعنی رکن نہیں بلکہ شرط صلوۃ ہے' اس لئے حنفیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں رکوع کے وقت ترک رفع یدین آیا ہے' اسی پر اور مسائل کو قیاس کرو کہ حنفیہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث میں سے جو نص قرآن کے موافق یا قریب ہوں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاگرد: واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا' مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

ظفر: عزیز من! پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو مگر دیکھو حدیث صحیح کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کرنا۔

شاگرد : یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پسینہ پسینہ ہو گیا پھر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے' پھر بخاریؒ' مسلمؒ و ترمذیؒ وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ' اور امام شافعیؒ کی تقلید ناجائز ہو' یہ کیونکر ہو سکتا ہے' اب میں مسلک اہل حدیث کو چھوڑتا ہوں اور مسلک حنفی اختیار کرتا ہوں۔

ظفر : تم بہت جلد سمجھ گئے اس سے دل خوش ہوا مگر اس کی اچھی طرح وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں وہ بھی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا حسن بغیر تقلید کے نہیں کہہ سکتے' رہا یہ عذر کہ حق تعالیٰ نے خبر صادق اور شہادت عادل کو حجت قرار دیا ہے تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباع حجت ہے' میں کہتا ہوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض خبر نہیں بلکہ اس کا مدار محدث کے ظن و اجتہاد پر ہے' بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے' اور علت کی معرفت حاذقین ہی کو ہوتی ہے' ہر محدث کو نہیں ہوتی' ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی معرفت بھی الہام ہے ابن نمیر نے کہا واقعی سچ ہے اگر محدث سے پوچھو کہ تم نے کیسے کہا (کہ یہ حدیث صحیح ہے یا معلل ہے) تو اس کے پاس کچھ جواب نہ ہو گا' احمد بن صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت بھی ایسی ہی ہے جیسے سونے اور پیتل کا پہچاننا' کیونکہ جوہر کو جوہری ہی پہچانتا ہے' پرکھنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم نے اس کو کھرا اس کو کھوٹا کیسے کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں بیان کر سکے گا' اس سے ثابت ہو گیا کہ آئمہ حدیث کا کسی حدیث کو صحیح یا معلل کہنا محض خبر نہیں بلکہ ان کا یہ قول ان کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے' تو اس بات میں ان کی بات پر اعتماد کرنا عین تقلید ہے' علامہ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا کہ یہ احکام میں تقلید نہیں اس لئے صحیح نہیں کہ حدیث صحیح پر عمل کرنا شرعاً واجب اور ضعیف پر عمل کرنا غیر واجب اور موضوع پر عمل کرنا حرام ہے تو یہ تقلید احکام ہی میں ہے' غیر احکام میں تو نہیں' اسی لئے فقہاء نے بحث سنت کو اور اس کے قبول ورد کے قواعد کو اصول فقہ میں بھی بیان کیا ہے' علامہ ابن القیمؒ کا اس کو

اتباع کہنا تقلید نہ کہنا لفظوں کا ہیر پھیر ہے حقیقت ایک ہی ہے۔

عبار اتنا شتی و حسنك واحد و كل الى ذاك الجمال يشير

عزیز من! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے' اب تم بتلاؤ کہ آئمہ قرأت کی تقلید کے بغیر قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہر گز نہیں! اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہی ہے' اسی طرح حدیث کو پہچاننا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا بھی واجب ہے اور اس میں تقلید آئمہ سے چارہ نہیں' پھر جماعت اہل حدیث کس منہ سے تقلید کا انکار کرتی ہے؟ پھر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت و ضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے بلکہ اپنے ظن و اجتہاد سے مقرر کئے ہیں' ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت و ضعف حدیث کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو اصول فقہ کی بحث میں مذکور ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح' ہمارے اصول پر ضعیف ہو یا ہمارے اصول پر صحیح ہو محدثین کے اصول پر ضعیف ہو تو اس میں نزاع کرنا غلط ہے۔ دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں' آخر میں اتنا اور بتلا دوں کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا' حنفیہ تو قرون ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کر دیتے ہیں اور مراسیل مقاطیع کا ذخیرہ احادیث مرفوعہ سے کم نہیں' کچھ زیادہ ہی ہے' تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں پھر مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں' ضعیف کو رد کر دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس سے مقدم ہے بلکہ قول صحابی و قول تابعی کبیر بھی قیاس سے مقدم ہے اب تم ہی بتلاؤ کہ عامل بالحدیث کون ہے اور تارک حدیث کون؟ رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ اس صورت میں جس حدیث پر حنفیہ نے عمل کیا ہے وہ ان کے اصول پر صحیح تھی گو محدثین کے نزدیک ضعیف ہو' حنفیہ کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی شرائط ہیں

جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور ہم نے مقدمہ اعلاء السنن میں بھی ان کو بیان کر دیا ہے اور مقدمہ اعلاء السنن کے دوسرے حصہ میں تقلید و اجتہاد پر مفصل کلام کیا گیا ہے جو زیر طبع ہے' شاگرد الحمد للہ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میں اہل حدیث کے مغالطہ سے نکل گیا ہوں۔

والحمد للہ رب العالمین

احباب دیوبند

کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر

ازرشحات قلم
شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہوتا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
تو حضرت دل اور سنو تازہ خبر اور

شکوت و ما شکوی لمثلی عادة و لکن تفیض الکاس عند امتلائها

مسلک احناف سے وابستہ ایک گروہ دیوبندی مکتب فکر کے متعلق ہمارا نقطہ نگاہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اس سے حتی الوسع ٹکراؤ کی کوئی صورت پیدا نہ ہونے دی جائے کیونکہ اس بدعات و محدثات اور کفر و الحاد کے دور میں اہل توحید کی باہمی آویزش باطل فرقوں اور جماعتوں کی تقویت کا باعث بن سکتی ہے نیز اس سے توجہات کے اصل دین کی بیخ کنی کرنے والوں سے ہٹ جانے کا احتمال رہتا ہے، لیکن افسوس حضرات دیوبند اس بات کا چنداں خیال نہیں رکھتے اور بجائے اس بات کہ وہ اپنی انرجی (Energy) کو ان مذاہب اور فرق کی سرکوبی میں صرف کریں جو دین حنیف پر ڈاکہ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف اور شریعت مطہرہ کی صورت بگاڑنے میں مشغول ہیں، الٹا اسے اس "گروہ عشاق" پر طعنہ زنی اور نیش زنی میں صرف کرتے ہیں جس نے لاتعداد قربانیاں دے کر اس برصغیر میں توحید اور اتباع رسول ﷺ (فداہ روحی) کا علم بلند کیا اور اسے ان علوم حدیث سے منور کیا جو صدیوں سے مہجور و متروک تھے اور جس نے بے شمار مصائب سہہ کر عمل بالحدیث کی اس شمع کو فروزاں کیا جو برس ہا برس سے بجھی بجھی اور خاموش خاموش تھی، فدائیوں کا وہ "طائفة مقدسة" جس نے ہر مخالف اسلام اور خلاف شرع قوت کے سامنے سد سکندری کا کام دیا اور یہی نہیں بلکہ وہ جماعت جس کاوش و کوشش موجودہ دیوبندی مکتب فکر کی تکوین کا باعث بنی اور جس نے ہندوپاک کے احناف کے مسلک و مذہب کو جلا بخشی اور اس میں نکھار پیدا کیا[1] آنے والا مؤرخ اس بات کی گواہی

---

[1] چنانچہ ایک معروف حنفی عالم مولانا مناظر احسن بہاریؒ نے ایک دفعہ برہان میں لکھا "اس کو تسلیم کرنا چاہئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کو جو پلٹی اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے" (ماہنامہ برہان دہلی ۲ جلد ۴۱ اگست ۱۹۵۸)

دے گا کہ اگر متحدہ ہندوستان میں اہل حدیث نہ ہوتے تو یہاں حنفیت بریلویت کے حدود سے باہر نہ نکل سکتی' اس لحاظ سے دیوبندیت رہین منت ہے اہل حدیث کی' اور یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث کا رویہ دیوبندیوں سے ہمیشہ مخلصانہ و برادرانہ رہا ہے' اور انہوں نے کبھی اپنے درمیان اور ان کے درمیان دوری محسوس نہیں کی اور جب بھی کوئی ایسی بات ہوئی انھوں نے توحید کو قدر مشترک قرار دے کر اغماض اور چشم پوشی سے کام لیا' الا یہ کہ پانی سر سے گزرنا شروع ہو جائے' چنانچہ اہل حدیث کی قدیم سے لے کر آج تک کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اکابر دیوبند کا نام احترام و عزت سے لیا اور انہیں اپنے جلسوں' کانفرنسوں اور اجتماعات میں شرکت کی دعوت دیتے رہے اور کبھی ان کے بارہ میں تنگ دلی اور کم ظرفی کا ثبوت نہیں دیا اور نہ ہی فتویٰ میں ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی' اور نہ ہی خطبات جمعہ و عیدین میں ان کو بحث کا موضوع بنایا لیکن دوسری طرف سے اس بارہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا گیا بلکہ منفی کام کرنے پر صرف زور دیا گیا' چنانچہ گوجرانوالہ کے دو محترم بھائیوں کا اہل حدیث کے ساتھ معاملہ ہمیشہ برادران یوسف کا سا رہا' انہوں نے جب کوئی کتاب تالیف کی اس میں اہل حدیث اکابر پر خصوصیت سے نظر کرم فرماتے رہے' خواہ موضوع کچھ ہی کیوں نہ ہو اور پھر انداز و اسلوب انتہائی سوقیانہ اور الفاظ و تراکیب انتہائی عامیانہ' وہیں کے ایک اور دیوبندی بزرگ جن کا تعارف برادران گرامی میں سے ایک یوں کراتے ہیں کہ ان کے مزاج میں حدت اور شدت بہت ہے اس لئے ہر جگہ بس ایک ؎

میخانہ ازل میں جہان خراب میں
ٹھہرا گیا نہ ایک جگہ اضطراب میں

کا نمونہ ہیں اور مزاج میں شدت اور حدت کے ساتھ ساتھ تعلّی اور جذباتیت بھی حد درجہ کی ہے (فتوحات حسینی ص ۴۰)

عموماً اہل حدیث کو اپنی زبان میں کوسنے دینا فرض سمجھتے ہیں' جس کے متعلق مؤلف ''فیوضات'' یوں رقمطراز ہیں: کہ ان کی تفسیر میں زبان آج سے تقریباً دو سو

سال قبل کی استعمال کی گئی ہے' بالفاظ دیگر ملار موزی کی گلابی اردو میں لکھی گئی ہے
(حوالہ مذکور) انہی بزرگوار کے ایک بھائی نے جواب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں کافی
عرصہ تک - قلعہ دیدار سنگھ کی فضاء کو اہل حدیث کے خلاف مسموم بنائے رکھااور اب
ان کے تلامذہ اور متعلقین اہل حدیث کے خلاف تند و تیز لب و لہجہ میں لکھے ہوئے
رسائل کو چھاپ کر دین کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں 'بعینہ لاہور کے ایک محترم
دیوبندی عالم نے لاہور کی پر سکون فضا سے نالاں ہو کر ایک ٹرسٹ کا قیام کیااور نام اس
کا اسلامی ٹرسٹ رکھااور سب سے پہلا رسالہ جو اس ٹرسٹ سے شائع کیاوہ مولوی رفیق
دلاوری مرحوم کا امام العصر مولانا میر سیالکوٹی ؒ کی رد میں تالیف کردہ تھااس طرح سے
اہل حدیث کو ان کے اس عمل نیک کی سزادی کہ انہوں نے مولانا محترم کو ہندوستان
سے ہجرت کے بعد اپنے مدرسہ میں مسند تدریس پیش کی تھی اور مولانا متبادل انتظام
ہونے تک اس پر جلوہ افروز رہے تھے ۔

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر ایک عدو نے کیا

اور تو اور خود مولانا ادریس کاندھلوی ایسی گرامی شخصیت کا عالم یہ ہے کہ جب
تک وہ اپنے خطبات اور درسی تقاریر میں اہل حدیث کی تردید اور مذمت نہ فرمالیں ان کا
غصہ فرو نہیں ہوتا یہی حال ان کی تصنیفات کا ہے' ابھی حال ہی میں ایک کتابچہ جس کا
نام شائد ''اجتہاد و تقلید'' تھا دیکھنے کا اتفاق ہوا' اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو مولانا اہل
حدیث کے متعلق کہہ سکتے اور آپ نے نہ کہی ہو' طرز تخاطب انتہائی تحقیرانہ اور توہین
آمیز اور اسلوب نگارش انتہائی کھردرا اور غضب آلود' اسے پڑھ کر انتہائی دکھ اور افسوس
ہوا اور ان خیالات پر بڑی کاری ضرب لگی جو حضرات دیوبند کے متعلق تھے' اصاغر تو
تھے ہی اصاغر لیکن مولانا کاندھلوی بہر حال دیوبندی حلقہ کے ایک بلند پایہ بزرگ ہیں'
ان ہی دنوں مولانا کی ایک تقریر کے اقتباسات بھی کسی پرچہ میں دیکھنے کا موقع ملا' اس
سے اس دکھ اور افسوس میں اور اضافہ ہوا اسی طرح کئی ایک لوگوں سے ان کی عام

تقاریر کے بارہ میں معلوم ہوا بعینہ صورت مولانا احمد علیؒ کے فرزند اکبر اور جانشین کے بارہ میں معلوم ہوئی اور اہل حدیث کے متعلق ان کے نظریات سننے میں آئے اور اس سلسلہ میں یہ روایت سن کر بڑا ہی تعجب ہوا کہ مولانا احمد علیؒ کی وفات کے بعد شیخ محمد اشرف' حاجی اسحاق حنیف اور میاں عبدالمجید ناظم مالیات مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان حضرت مولانا کے جانشین محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کی کہ لاہور میں ہمیشہ سے معمول یہ رہا ہے کہ اہل حدیث اور دیوبندی منٹوپارک (اقبال پارک) میں اکٹھے عید پڑھتے ہیں' بنابریں مولانا مرحوم بھی منٹوپارک میں مولانا غزنوی مرحوم کے پیچھے عید کی نماز پڑھا کرتے تھے' اس لئے درخواست لے کر آئے ہیں کہ آپ بھی حسب معمول نماز عید منٹوپارک میں ادا کریں امامت کے فرائض مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر جمعیت اہل حدیث سرانجام دیں گے' تو مولانا محترم نے جواب دیا کہ میرے نزدیک تو اہل حدیث کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی' اس لئے منٹوپارک میں عید پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' رہی بات مولانا مرحوم کی' تو وہ تو اب دنیا سے رخصت ہو گئے اس لئے وہ جانیں اور ان کا کام! اور یہ تینوں حضرات حیران و پریشان کف افسوس ملتے ہوئے افسردہ دل واپس لوٹ آئے کہ مدتوں کا اتحادیوں لمحہ میں جناب مکرم نے پارہ پارہ کر دیا۔

گفتی کہ چہ شد قاعدہ مہر و محبت
رسم کہنی بود بعہد تو بر افتاد

ایک طرف تو یہ عالم ہے اور ایک طرف یہ کہ ہم نے کسی دیوبندی امام کے پیچھے نماز ناجائز ہونا تو کجا کبھی کراہت تک محسوس نہیں کی۔

رہ گئے مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا قاری طیب صاحب تو یہ اہل حدیث کے دیرینہ کرم فرما ہیں اس لئے ان کی بات کا ہم نے کبھی نوٹس ہی نہیں لیا' لیکن ہندوستان میں اس حلقہ کی چھپی ہوئی ایک کتاب مقدمہ انوار الباری کو دیکھ کر دل و دماغ کے تار جھنجھلا اٹھے ہیں کہ حضرات دیوبند کو اہل حدیث سے کس قدر کینہ اور دشمنی ہے اور کس

طرح ان کی پوری کوششوں اور کاوشوں کا مرکز و محور اہل حدیث کی نیستی اور تدمیر ہے اور وہ اس عداوت میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ اس سب و شتم سے امام الہند مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اور محدث دوران و مجدد زمانۃ حاضرہ نواب صدیق خان رحمہما اللہ سے لے کر امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ تک کوئی بھی شخصیت محفوظ نہیں ؎

فلو كان رمحا واحدا لاتقيته
ولكنه رمع وثان و ثالث

کچھ یہی حالت مولوی عبدالرشید نعمانی کی ہے کہ ان کے غیظ و غضب کا جام جب ٹوٹتا ہے تو اہل ہے حدیث پر ٹوٹتا ہے اور پھر وہ غیظ و غضب میں بڑی سے بڑی عظیم المرتبت ہستی پر چھینٹے دینے سے باز نہیں رہ سکتے' انہوں نے بڑوں بڑوں کو معاف نہیں کیا ان سب چیزوں کے باوصف ہم نے کبھی اپنے اول الذکر نقطہ نظر کو متاثر نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ کی طرح کبھی اس مکتبہ فکر سے بگاڑنے کی نہیں سوچی کہ ان میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ ایسے اہل توحید کے اتحاد کے داعی اور مولانا مفتی محمد شفیع ایسے فرقہ پرستی کے مخالف لوگ موجود ہیں اور اس وجہ سے ان حضرات سے ہمیشہ ملاقات کے شائق اور متمنی رہے اور حرمین میں بکثرت ان سے ملاقاتیں بھی رہیں' اگرچہ مولانا غلام اللہ خان کے پرچہ "تعلیم القرآن" میں شاید ان کی بے خبری کی بنا پر کبھی کبھی اہل حدیث پر طنز و تعریض چھپتی ہی رہتی ہے' جس طرح مولانا مودودی اپنے درس قرآن میں اپنی حنفیت کی بنا پر گاہے بگاہے اہل حدیث کو نوازتے رہتے ہیں اور "ایشیا" و "آئین" کے ذریعہ اس کی شہرت ہوتی رہتی ہے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ چوٹ جو دل پہ لگی اس کا سبب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ "البلاغ" کے شمارہ نمبر ۱۰ بابت ماہ جنوری میں درج شدہ ایک مضمون ہے اور یہی مضمون ان سطور کا محرک بنا ہے اس میں اہل حدیث پر جو دشنام طرازی اور الزام تراشی کی گئی ہے اس کا ذکر تو آگے آئے گا' اس وقت مدعاء گزارش یہ ہے کہ یہ مضمون اس محترم بزرگ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے جس کے "اتحاد امت" پر لکھے گئے مضمون کی سیاہی بھی ابھی خشک

نہیں ہوئی اور جس سے میں اس قدر متاثر ہوا تھا کہ جب مفتی صاحب محترم نے مدینہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جناب عطیہ سالم کے ہاں دیگر احباب کے ہمراہ مجھے اس کے عربی میں ترجمہ کے متعلق ارشاد کیا تھا تو میں نے فوراً اپنی امادگی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے مسودہ لے لیا تھا اور جس کی بنا پر میں ہمیشہ مفتی صاحب کی مدینہ منورہ میں آمد پر ان کے پاس حاضر ہوتا اور ان کی صحبت سے استفادہ کی کوشش کرتا' اور محترم کے صاحبزادہ گرامی اس کے گواہ ہیں' ان کے پرچہ میں اہل حدیث کے خلاف اس قسم کے بے سروپا بے بنیاد اور تند و تلخ مضمون کا چھپنا کم از کم مجھ ایسے مخلصوں کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں' اس مضمون نے میری طرح کے کئی ایک ان لوگوں کے دلوں کو سخت مجروح اور جذبات کو شدید کچلا ہے جو اتحاد امت کے بہت بڑے خواہش مند اور خصوصاً اہل توحید کی یگانگت کے زبردست متمنی ہیں یہ مضمون جو بصورت مکالمہ ''البلاغ'' کے جنوری کے شمارہ میں چھپا ہے۔

ٹنڈوالہ یار کے شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا ہے اور اس کا موضوع شاعری کی زبانی وہی ''جرم بے جرمی'' ہے جو اہل حدیث عام کیا کرتے ہیں کہ ؎

خونے نہ کردہ ایم و کسے رانہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

اور ؎

کہ یاراں دیگر رامی پرستند

یعنی تقلید اور عنوان ہے:

تقلید کے بارہ میں ایک گفتگو

مولانا اس من گھڑت اور جھوٹے قصہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا ایک بھانجا مظاہر العلوم سے فارغ ہونے کے بعد کسی اہل حدیث ڈاکٹر کے پاس ملازم ہو گیا اور تین برس بعد اس نے حنفیت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شمولیت اختیار کر لی' مظاہر العلوم کے اساتذہ نے اس کے شبہات دور

کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے آخر میں میرے ساتھ گفتگو ہوئی اور میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مسلک کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ عمل بالحدیث الصحیح! میں نے کہا عمل بالقرآن نہیں تو اس نے کہا وہ تو ہے ہی' میں نے جواب دیا

"یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے" (البلاغ حصہ ۲۴ شمارہ ۱ بابت جنوری ۱۹۶۸ء)

خط کشیدہ الفاظ کو دوبارہ ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ سینوں میں اہل حدیث کے خلاف کس طرح لاوا ابل رہا ہے' مندرجات پر گفتگو سے پہلے اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا شمار دیوبند کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے اور بیسیوں سال سے وہ مسند تدریس کو سنبھالے ہوئے ہیں اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں' لیکن اہل حدیث کی مخالفت میں سطحیت کا یہ عالم ہے کہ اس قدر پست الفاظ بولتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور اتنا بڑا الزام تراشتے ہوئے خوف خدا بھی پیش نظر نہیں رہتا' قرآن پر کون عمل نہیں کرتا ہے؟ یہ تو ہم عرض کریں گے ہی لیکن اس وقت یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ مولانا عثمانی ساری عمر اہل حدیث کے خلاف لکھتے اور بولتے رہے اور خدا نے ان کو دنیا میں ہی اس کا بدلہ دیا ہے کہ بیٹوں نے حدیث کی مخالفت شعار کرلی ہے' باپ اہل حدیث کی تردید میں لکھتے اور بولتے ہیں گویا کہ جس عمارت کی نیو باپ نے رکھی تھی بیٹوں نے اسے استوار کر دیا ہے۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام بخاریؒ پر زبان طعن دراز کرنے والوں کے گھروں اور مدرسوں میں صحیح بخاریؒ کی احادیث کو ماننے والے پیدا ہوں اور پروان چڑھیں۔

سقونی و قالوا لا تغن لو سقوا! جبال سراة ما سقت لغنت

اب ذرا مولانا عثمانی کے اس بہتان کو دیکھئے کہ اہل حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے' سب سے پہلے ہم ان دلائل کا تجزیہ کریں گے جو مولانا نے اہل حدیث کے

قرآن پر عمل نہ کرنے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام

پہلی دلیل مولانا نے یہ پیش کی ہے

کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف۔۲۰۴)

"جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے۔

گویا مولانا کے نزدیک اہل حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ کر قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے حکم کو نہیں مانتے حالانکہ مولانا کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم خود صاحب قرآن محمد اکرم ﷺ نے دیا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ناطق وحی اور وہ ذات جن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہو کوئی عمل خلاف قرآن کریں چنانچہ عبادہ بن الصامت روایت کرتے ہیں:

"صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِي وَاللَّهِ قَالَ فَلاَ تَفْعَلُوا إِلاَّ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا"

"کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت دشوار ہو گئی چنانچہ آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو' عبادہ کہتے ہیں کہ ہم نے جواباً عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کچھ نہ پڑھا کرو مگر سورہ فاتحہ (ضرور پڑھا کرو) کیونکہ اس شخص کی نماز ہی نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔"

(یہ روایت ترمذی ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے اور امام ابوداؤد' ترمذی' دار قطنی' ابن حبان حاکم اور بیہقی وغیرہ نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے' حوالہ کے لئے دیکھئے التلخیص الخبیر الحافظ ابن حجرؒ)۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :۔

"عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلاَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلاَثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيلَ لأَبِي هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الإِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ" (رواہ مسلم)

"کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی بھی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے' ناقص ہے' ناقص ہے اور ناتمام۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سن کر سائل نے کہا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو اس وقت کیا کریں؟ آپ نے فرمایا' اس وقت سورہ فاتحہ آہستہ پڑھو' یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔"

اور اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ :

"لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

"نماز بغیر فاتحہ کے ہوتی ہی نہیں۔" (بخاریؒ' مسلمؒ' ترمذیؒ' نسائیؒ' ابن ماجہؒ)

اور شارح بخاری امام کرمانی اور شارح بخاری امام قسطلانی دونوں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہر ایک پر واجب ہے خواہ وہ امام ہو' مقتدی ہو' یا اکیلا ہو' اور چاہے نماز سری ہو یا جہری (قسطلانی و کرمانی)

اور اسی وجہ سے حکیم ہند شاہ ولی اللہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوۃ نبی است
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود خداوند ذوالجلال نے اس آیت کے آگے دوسری آیت میں فرمادیا ہے :۔

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (الأعراف۔۲۰۵)

"کہ دل میں آہستہ آہستہ بلند آواز نہ کرتے ہوئے صبح وشام (کہ یہ جہری نمازوں کے اوقات ہیں) پڑھتے رہو اور (چپ کر کے) غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔"

اس لئے قرآن پر تو وہ عامل نہ ہوا جس نے سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے نہ پڑھا' نہ کہ وہ جس نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ احناف کے تین بڑوں میں سے ایک امام محمدؒ کے متعلق حنفیہ کے مشہور امام مرغینانی ہدایہ میں رقمطراز ہیں:

"و يستحسن على سبيل الإحتياط فيما يروى عن محمد"

"کہ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ احتیاطاً پڑھنا اچھا فعل ہے"

توگویا

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اگر مخالفت قرآن کی دلیل قرأت فاتحہ خلف الامام ہی ٹھہری تو الزام سے ان کا دامن بھی آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ فقہ کا بیشتر حصہ جن کا رہین منت ہے اور جن کے متعلق باربار فقہی کتابوں میں آتا ہے:

"والفتوى على قول محمدؒ"

کہ حنفی مذہب کا فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

دم اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ
کہ روسیاہ ابھی اختیار باقی ہے

قرآن پر کون عمل نہیں کرتا

مولانا عثمانی نے اہل حدیث کو الزام دیا تھا کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ کر

قرآن حکیم کی آیت : ﴿وإذا قرئ القرآن...﴾ پر عمل نہیں کرتے' اور ہم نے مختصراً ثابت کر دیا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا عین منشاء نبوت اور مطابق قرآن ہے کہ آنخضرت (فداہ روحی) کی اس کے بارہ میں صراحت آ گئی ہے' اب ذرا احناف کو دیکھئے کہ بغیر کسی استناد کے کس طرح قرآن حکیم کی اس آیت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں' فتاوی عالمگیری کہ حنفی مذہب کا بہت بڑا ماخذ و مصدر ہے اس میں ہے کہ امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد مقتدی سبحانک اللہ پڑھ سکتا ہے (عالمگیری باب صفت الصلاۃ) اب بتلایئے کہ قرآن پر عمل کس نے نہیں کیا؟ اہل حدیث نے جو رسول اللہ ﷺ کے حسب ارشاد اور قرآن کے حسب فرمان امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت کے قائل ہیں یا احناف نے جو بغیر کسی سند کے قرأت امام کے وقت سبحانک اللہ پڑھنے کی اجازت بخشتے ہیں؟ ۔

ستعلم ليلى اى دين تداينت   و اى غريم فى التقاضى غريمها!

اور فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب "منية المصلى" میں تو یہاں تک فرمادیا ہے :

"و عن الفقيه أبى جعفر إذا أدرك الإمام فى الفاتحة يثنى بإتفاق' ذكره فى الذخيرة"

"کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں' جب مقتدی اسے عالم میں نماز میں شامل ہو کہ امام سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ ثناء (سبحانك اللهم) پڑھے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں (صاحب منیۃ کہتے ہیں) کہ یہ روایت ذخیرہ میں موجود ہے"

اور کبیری میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک سورہ فاتحہ ہی نہیں بلکہ اگر کسی دوسری سورہ کی تلاوت کر رہا ہو تب بھی مقتدی ثناء پڑھے (حوالہ کے لئے دیکھئے حاشیہ منیۃ المصلی ص ۲۵۴ مطبوعہ نولکشور)

مولانا عثمانی اور قارئین انصاف فرمائیں اگر اہل حدیث امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ کر قرآن کے مخالف بن جاتے ہیں تو امام ابو جعفر اور امام ابو یوسف امام کے پیچھے پڑھ

کر کیوں نہیں؟

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں!

اور یہ بات ایک لطیفہ سے کم نہ ہوگی کہ مولانا عثمانی اہل حدیث کے قرآن پر عامل نہ ہونے کے اثبات میں اپنے تین بڑوں میں سے دو (امام محمدؒ اور امام یوسفؒ) کو ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔

محتسب داند کہ حافظ مے خورد
و آصف ملک سلیمان نیز ہم

اور اہل حدیث پر تو فرد جرم لگا نہ ہو سکے لیکن دو تہائی حنفیت سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھے۔

عشق تو قائم نہ ہوا آپ سے
اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہئے

مولانا عثمانی کو اگر ان لوگوں اور مسائل کی فہرست مرتب کرنا ہی تھی جو قرآن پر عمل نہیں کرتے یا قرآن کے مخالف ہیں تو انہیں اپنے فقہاء اور فقہ سے ہی بیسیوں لوگ اور مسائل مل جاتے کما سیجئ۔

سر دست اس آیت زیر بحث ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ پر عمل نہ کرنے والے ایک اور حنفی فقیہ و عالم کا تذکرہ کئے دیتے ہیں' جو نہ صرف یہ کہ اس پر عمل ہی نہیں کرتے بلکہ بر سر منبر اس کے حکم کے ماننے تک سے انکاری ہیں اور وہ ہیں اصول فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب کے مصنف ملا جیونؒ' وہ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ آیت ﴿فاقرؤا ماتيسر من القرآن﴾ سے متعارض ہے' اس لئے دونوں کا حکم تعارض کی وجہ سے گر جائے گا اور دونوں پر عمل نہیں ہوگا اور ان کے اپنے الفاظ ہیں :-

"أن الآيتين إذا تعارضتا تساقطتا... مثاله قوله تعالى فاقرؤا ما

تیسر من القرآن مع قوله تعالی وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا' فإن الأول بعمومه یوجب القراءة علی المقتدی والثانی بخصوصه ینفیه و قد وردا فی الصلاۃ جمیعاً فتساقطا''

''یعنی جب دو آیتوں کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو دونوں کا حکم ساقط ہو جاتا ہے اور اس مثال فاقرؤا من تیسر من القرآن اور وإذا قرئ القرآن ہے کہ پہلی آیت مقتدی پر قرأت واجب کرتی ہے اور دوسری آیت قرأت سے روکتی ہے اور دونوں آیات نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں' اس لئے دونوں پر عمل نہیں کیا جائے گا'' (نور الانوار ص ۱۹۳ مطبوعہ مجیدی کانپوری)

یہ ہے مخالفت قرآن دندنے اور طنطنے کے ساتھ ؎

نہ آپ آئے نہ ہم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

کیا بلند آواز سے آمین کہنا قرآن کے منافی ہے

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اہل حدیث کے قرآن پر عامل نہ ہونے کے ثبوت میں مولانا عثمانی نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہل حدیث اونچی آواز سے آمین کہتے ہیں حالانکہ آمین دعا ہے اور دعا کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾

اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ آہستہ آہستہ دعا کرو۔

مولانا اہل حدیث کے خلاف عناد میں اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ انہوں نے اہل حدیث پر فرد جرم عائد کرنے کے لئے ایک ایسی دلیل تراش لی۔جس کی آئمہ احناف اور متقدمین حنفیہ میں سے کسی کو خبر نہ ہو سکی اور وہ اس جوش میں اس قدر خود فراموش ہو گئے کہ اتنا بھی نہ سوچا کہ اس ستم رانی کی زد کس کس پر پڑے گی' اور تو اور اگر قرآن حکیم کی بے شمار و لا تعداد آیات پر ایک نظر ڈال لیتے جو دعا بالجہر کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ تو بلند آواز سے دعا بالجہر کو منافی قرآن نہ بتلاتے اور نہ ہی اس آیت کا وہ ترجمہ و مفہوم لیتے۔جواب صرف اہل حدیث کو مطعون کرنے کے لئے لیا ہے کہ بصورت دیگر اس آیت میں اور دوسری آیات میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔جس سے کلام خالق متعال منزہ و مبرا ہے اور جس کی برأت و تنزیہہ کی شہادت خود اصدق القائلین نے ان الفاظ میں دی ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾

"یہ قرآن اگر غیر اللہ کا نازل کردہ ہوتا تو اس میں تضاد و اختلاف ہوتا"

چونکہ اس میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔اس لئے ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا نازل کردہ ہے اور وہ آیات وہ ہیں جن سے بآواز بلند دعا مانگنا ثابت ہے' چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ﴾ (الصافات۔ ٧٥)
"اور ہمیں نوح نے بآواز بلند پکارا اور ہم نے اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:
﴿وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ﴾ (الأنبياء۔ ٧٦)
"اور نوح (کو یاد کرو) جب اس نے بلند آواز سے پکارا تو ہم نے اس کی پکار کو قبول کیا۔"

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:
﴿وَ أَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الأنبياء۔ ٨٣)
"اور ایوبؑ کہ اس نے بلند آواز سے دعا کی (اے اللہ) مجھے تکلیف ہے پہنچی اور تو بہت رحم کرنے والا ہے (میری تکلیف کو دور کر دے)"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ﴾ (الأنبياء۔ ٨٤)
"ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور تکلیف دور کر دی۔"

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:
﴿فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبياء۔ ٨٧)

یہ اور اس قسم کی بیسیوں آیات اور ہیں' اس سب میں دعا کو بصیغہ نداء ذکر کیا ہے اور نداء عربی میں آواز بلند کو کہتے ہیں چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

"نداء رفع الصوت و ظهوره"
کہ نداء کے معنیٰ آواز کا بلند کرنا اور اس کا ظاہر کرنا ہے۔ (مفردات امام راغب ص ٥٠٥ مصطفیٰ بابی حلبی)

اور لغت عرب کے امام ابن منظور افریقی مصری فرماتے ہیں:

"النداء ممدود الدعاء بارفع الصوت' وفلان اندی صوتا عن فلان أی أبعد مذهباً و أرفع صوتاً"

"کہ نداء کے معنی بلند آواز سے پکارنے کے ہیں اور فلان أندی صوتاً من فلان کا معنی ہے کہ فلاں کی آواز فلاں سے بلند اور دور رس ہے" (لسان العرب جلد ۲ ص ۷ ۱۸ اط بولاق)

اور صاحب مجمع بحار الانوار لکھتے ہیں (أندی صوتا أی أرفع وأعلی) کہ اندی صوتا کا معنی بلند اور اونچی آواز والا ہے (مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۵ ۴ ۳ طبعہ نول کشور)

اور خود قرآن حکیم میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ نداء بلند آواز کو کہتے ہیں۔

چنانچہ سورہ ھود میں اللہ لم یزل نے حضرت نوح اور ان کے بیٹے کا مکالمہ نقل کیا ہے اور اس کی ابتداء اس لفظ سے ہوئی ہے کہ: ﴿ونادی نوح ابنه...﴾ الخ اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ کنارے پہ تھا کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کا ساتھ نہ دو۔

اسی طرح سورۂ اعراف میں اصحاب الجنت' اصحاب الاعراف اور اصحاب النار کی آپس کی بات چیت کو بھی بلفظ نداء ہی ذکر کیا ہے:

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ﴾

اور

﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالاً﴾

اور

﴿وَ نَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ﴾

کہ جنتیوں نے دوزخیوں کو کہا اور اعراف والوں نے دوزخیوں کو پکارا اور دوزخیوں نے جنتیوں سے سوال کیا اور ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے بات' سوال اور مخاطب بغیر آواز بلند کئے ہو نہیں سکتی' اس لئے اس بات کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نداء کے معنی

باآواز بلند پکارنے کے ہیں اور اسے ماننے کے بعد یہ بھی قطعاً ماننا پڑے گا کہ مولانا عثمانی نے آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ﴾ الخ کا جو ترجمہ کیا ہے اور اس سے جو مفہوم اخذ کرنا چاہا ہے وہ بالکل غلط ہے ورنہ کلام باری کو (عیاذ باللہ) باہم متضاد و متناقض کہنا پڑے گا۔

معافی چاہ بے ادبی سے اپنی

اور اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن حکیم میں کوئی حکم وارد ہو اور مبین قرآن اور حامل وحی ﷺ اس کے خلاف کریں' حالانکہ آمین بلند آواز سے کہنا نہ صرف یہ کہ خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے بلکہ آپ نے اپنے صحابہ کو اونچی آواز سے کہنے کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ (وَلاَ الضَّالِّين) قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ" (رواہ ابو داؤد)

"رسول اکرم ﷺ جب ولا الضالین پڑھ لیتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔امام ابوداوٗد نے اس حدیث کو نقل کیا۔"

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

"وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ) قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ" (رواہ ابوداؤد)

"رسول اللہ ﷺ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھنے کے بعد اس زور سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی"

یہ روایت بھی سنن ابی داوٗد میں موجود ہے۔

ابن ماجہ میں جو روایت آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

"كان رسول الله ﷺ إذا قال (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) قال آمين حتى يسمعها أهل الصف الأول فيرتج بها

المسجد" (رواہ ابن ماجة)

"رسول اللہ ﷺ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھنے کے بعد اس زور سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے اسے سن لیتے اور اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی"

اور یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد امام عطاء رحمہ اللہ جو بلند پایہ تابعی ہیں فرماتے ہیں :

"أدركت مائتين من الصحابة فى هذا المسجد إذا قال الإمام (ولاالضالين) سمعت لهم ضجة بآمين" (رواه البيهقى)

"میں نے نبی ﷺ (فداہ ابو وامی) کے دو سو صحابہ رضی اللہ عنہ کو پایا کہ وہ امام کے ولاالضالین کہنے کے بعد بلند آواز سے آمین کہتے" (امام بیہقی نے اسے روایت کیا ہے)

اور صحیح ابن حبان میں ہے :

"أدركت مائتين من أصحاب النبیﷺ فى هذا المسجد. يعنى مسجد الحرام. إذا قال الإمام ولا الضالين رفعوا أصواتهم بآمين"

"عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد - یعنی مسجد حرام - میں (بیت اللہ) میں دو سو صحابہ کو پایا کہ جب امام ولاالضالین پڑھ لیتا تو وہ بآواز بلند آمین کہتے"

اور صحابہ کا بلند آواز سے آمین کہنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے کانوں سے ناطق وحی کو آمین بالجہر کہتے سنا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ انہیں یہ فرمان مصطفوی یاد تھا :

"إِذَا قَالَ الإِمَامُ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ) فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" (رواه البخارى فى جهر المأموم بالتامين)

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ جس کی بات فرشتوں کی بات سے مل گئی اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے گئے"

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب ''مقتدی بآواز بلند آمین کہے'' میں روایت کیا ہے :

شارح بخاری امام قسطلانی اور شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آمین بالجہر کہنے کا حکم آیا کیونکہ :-

''والقول إذا وقع به الخطاب مطلقا حمل على الجهر و متى أريد به الإسرار و حديث النفس قيد به ذلك'' (قسطلانی و فتح الباری)

''کہ قول کے لئے جب صیغہ مخاطب مطلقاً آئے تو اس سے مراد قول بالجہر ہوتا ہے اور جب قول سے مراد قول مخفی یا دل کی بات ہو تو اس وقت قول کے ساتھ کوئی قید بھی ہوتی ہے-''

اللہ گواہ کہ گر جرم ماہمیں عشق است
گناہ گبر و مسلماں بہ جرم ما بخشد

اور یہ تو آمین کے بارہ میں ہے جس کے دعا ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور جسے خود احناف کے اہم متبوع امام ابو حنیفہ دعا نہیں کہتے جیسا کہ شیخ الاسلام بکر المعروف خواہر زادہ نے شرح مبسوط میں ذکر کیا ہے :

''وروى عن أبى حنيفة رحمه الله أنه قال لا يؤمن الإمام بآمين إنما يقوله المأموم و ذلك لأن الإمام داع والمأموم مستمع و إنما يؤمن المستمع لا الداعى كما فى سائر الأدعية خارج الصلاة''

''امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام آمین نہ کہے صرف مقتدی کہے کیونکہ امام دعا مانگنے والا ہے اور مقتدی سننے والا کہتا بلکہ سننے والا کہا کرتا ہے جیسا کہ تمام ادعیہ میں معمول ہے''

اور تقریباً یہی روایت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی حنفی نے بیضاوی کے حاشیہ میں درج کی ہے اور دیگر بہت سے علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ آمین دعا نہیں بلکہ خاتمہ دعا ہے جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ اور ابوداؤد

میں حضرت زہیر اور تفسیر بیضاوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کا بھی نظریہ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے توان ادعیہ کو باآواز بلند پڑھنا بھی ثابت ہے جن کے دعا ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں چنانچہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف میں ہے :

”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كنا مع رسول الله ﷺ فِي الْخَنْدَقَ وهم يحفرون وَ نحن نَنْقُلُ التُّرَابَ عَلَى أَكْتَافِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اللّٰهُمَّ لاَ عَيْشَ إلاَّ عَيْشُ الآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصارِ“

”سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں حاضر تھے کچھ لوگ کھدائی کر رہے تھے اور ہم کھدی ہوئی مٹی کو کندھوں پر اٹھائے ڈھو رہے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے اللہ زندگی آخرت کی زندگی ہے تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔“

اور ایک روایت میں آنحضرت کی دعا کے الفاظ اس طرح آتے ہیں :

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجره

اور بخاری شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

”كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى أَغْمَرَ بَطْنَهُ أَوِ اغْبَرَّ بَطْنُهُ يَقُولُ :

وَاللّٰهِ لَوْ لاَ اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلاَ تَصَدَّقْنَا وَلاَ صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَ ثَبِّتِ الأَقْدَامَ إِنْ لاَقَيْنَا

إِنَّ الأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ أَبَيْنَا أَبَيْنَا“ و فى رواية يمدبها

”کہ نبی ﷺ غزوہ خندق پر خود مٹی ڈھو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کا بدن مبارک خاک سے اٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اگر خدا کی رہنمائی

نہ ہوتی تو ہم راہ راست پر نہ آسکتے' اور نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے' اے اللہ ہم پر اپنی سکینت نازل فرما اور جنگ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ ان لوگوں (کفار) نے ہم پر زیادتی کی ہے اور انہوں نے ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنا چاہا تو ہم نے انکار کر دیا' (حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) آخر میں حضور ﷺ آواز کو بلند کر دیتے تھے۔"

اور غزوہ خیبر میں کچھ اس قسم کی دعا آپ نے حضرت عامر بن اکوع سے سنی اور فرمایا "یرحمہ اللہ" (یعنی حضرت عامر اس غزوہ میں شہید ہو جائیں گے' تفصیل کے لئے صحیح مسلم غزوہ خیبر روایت مسلمہ بن الاکوع۔

اور اگر اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کی اور دعاؤں کے متعلق معلوم کرنا ہو تو صحاح کو اٹھا کر دیکھ لیں' بیسیوں روایات مل جائیں گی' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بلند آواز سے دعا مانگا کرتے تھے' اور خصوصاً حضرت ربیعہ حضرت ابن عباس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بیشمار ﷺ ایسی مرویات ہیں کہ انہوں نے فلاں دعا سرور کائنات سے نماز تہجد میں سنی اور فلاں نماز عشاء میں اور فلاں فلاں نماز میں' اگر مولانا عثمانی کے قول کے مطابق دعا بلند آواز سے ممنوع ہوتی تو آنحضرت ﷺ اونچی آواز سے دعا کیونکر مانگ سکتے تھے؟ یا کیا مولانا کے نزدیک صاحب نشیمن جبریل امین کو اس حکم کا علم نہیں ہو سکا؟

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گفتم

مولانا عثمانی نے اہل حدیث کے خلاف الزام تراشی کی رو میں بہہ کر یہ نہیں سوچا کہ ان کے ایک بے اصل دعویٰ و دلیل کی زد کس کس پر پڑے گی حالانکہ ان جیسے فاضل انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے تھا کہ اہل حدیث کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ ان کے مسلک و مشرب میں کسی خانہ ساز چیز کا کوئی وجود نہیں اور ان کی ہر بات براہ راست قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے ماخوذ ہوتی ہے' ہم پوری دنیا کے علماء و فقہاء کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ مسلک اہلحدیث کی کسی چیز کو بھی خلاف قرآن و سنت ثابت کر کے دکھلا

دیں' اور ہم پورے وثوق اور اطمینان قلب سے کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی فرد ان کی کسی ایک بات پر بھی انگلی رکھ کر نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز تمہارے نہاں خانہ دماغ کی تخلیق ہے اور قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بقدر وسعت مشرب بہر کس جرعہ می داد ند
تو در پیمانہ ے داری و من خون جگر دارم

مولانا نے اہل حدیث کے خلاف مقدمہ میں آمین بالجہر کو ممنوع ثابت کرنا چاہا تھا کہ قرآن کریم میں دعا بالجہر سے روکا گیا ہے' اور ہم نے آمین بالجہر اور بلند آواز سے دعا مانگنے کا نہ صرف ثبوت مہیا کر دیا ہے بلکہ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ باآواز بلند دعا مانگنا انبیاء مرسلین اور خود خاتم النبیین سید المرسلین کی سنت ہے۔

کہ آتشے کہ نمرد ہمیشہ در دل ماست

مولانا نے اہل حدیث کو بلند آواز سے آمین کہنے پر قرآن سے ناواقف بتلایا تھا' حالانکہ خود مولانا کی قرآن سے ناواقفی کا یہ عالم ہے کہ انہیں قرآن کریم کی اس آیت کا علم تک نہ ہو سکا جس میں باری تعالیٰ نے دعا میں بہت زیادہ بلند اور بالکل پست کے درمیان آواز کو اختیار فرمانے کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً﴾

(الاسراء : ۱۱۰)

"دعا میں آواز نہ بہت زیادہ بلند کرو اور نہ بالکل پست بلکہ درمیانی آواز سے دعا مانگو۔"

اور صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے حرم رسول اللہ ﷺ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں :

"أنزل ذلك في الدعا"

یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری کتاب التفسیر)

اور امام ابن کثیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد

کہتے ہیں:

"کذا قال مجاهد و سعید بن جبیر و أبو عیاض و مکحول و عروة ابن الزبیر"

"کہ امام مجاہد، سعید بن جبیر، ابو عیاض، مکحول اور عروہ بن زبیر کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت دعا کے بارہ میں نازل ہوئی ہے" (ابن کثیر ص ۱۵)

کیا فرماتے ہیں مولانا عثمانی، کون ناواقف ہے اور کون نہیں اور قرآن پر کس نے عمل کیا ہے اور کس نے نہیں؟ ؎

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

اور تبھی تو ابن ہمام ایسے زبردست حنفی عالم و فقیہ اور امام نے لکھا ہے کہ "اگر آمین کے بارہ میں مجھے فیصلے کا اختیار ہوتا تو میں یہ مختلف روایات کے درمیان یوں تطبیق دیتا کہ ان روایات سے مراد جن میں آہستہ آواز سے آمین کہنا منقول ہے یہ کہ آواز بہت زیادہ بلند نہ ہو اور بلند آواز والی احادیث سے مراد نرم اور گداز آواز ہے اور اس کی تائید ابن ماجہ میں مروی وہ حدیث کرتی ہے جس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ غیر المغضوب علیم ولا الضالین کے بعد آمین اتنی آواز سے کہتے تھے کہ اسے پہلی صف والے سن لیتے اور اس سے مسجد میں گونج سی پیدا ہو جاتی جس طرح کہ دریا میں بولنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس طرح مساجد میں دیکھا جاتا ہے بخلاف اس کے کہ آمین بڑے زور سے کڑک کر کہی جاوے۔

اور اس کے بعد اپنا فیصلہ بھی صادر فرما دیتے ہیں:

"وعلی هذا فینبغی أن یقال علی هذه الوجه لا یقرع کما یفعله بعضهم"

"بنابریں آمین درمیانی آواز سے کہنا چاہئے نہ کہ زور سے کڑک کر کہ جس طرح بعض لوگ کہتے ہیں" (فتح القدیر ص ۱۱۷ ج ۱ ط لکشور)

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

اور اسی لئے تو مولانا عثمانی کی مسلمہ شخصیت مولانا عبدالحی لکھنوی التعلیق المجد شرح مؤطا امام محمد میں فرماتے ہیں :

"والإنصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل"

"اور انصاف کی بات یہ ہے کہ آمین کا اونچی آواز سے کہنا بلحاظ دلیل قوی ہے"

اور مولانا عبدالعلی نے یہاں تک کہہ دیا ہے :

"وأما الإسرار بالتأمين فهو مذهبنا لم يرو إلا ما روى الحاكم عن علقمة بن وائل عن أبيه وهو ضعيف جدا" (اركان الأربعة)

"ہمارا مسلک آمین پست آواز سے کہنا ہے اور اس کی تائید میں اس روایت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جسے امام حاکم نے علقمہ بن وائل کے واسطے سے روایت کیا ہے لیکن وہ روایت بھی بالکل ضعیف ہے۔"

ناصحا دل میں ہی اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

اگر مولانا عثمانی اب بھی اس بات پر مصر ہوں کہ بآواز بلند دعا کرنا منافی قرآن ہے تو مندرجہ بالا دلائل سے قطع نظر اس کا جواب کیا دیں گے اور خود ان کے صاحبین امام ابویوسف اور امام محمد کی پوزیشن کیا ہوگی کہ وہ بھی اونچی آواز سے دعا کے قائل و آمر ہیں چنانچہ فتح القدیر میں قنوت کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن ہمام فرماتے ہیں :

"فعن محمد يقنت الإمام و يكست المقتدى ويجهربه... ثم هل يجهر الإمام به؟ اختار أبو يوسف"

"امام محمد کے نزدیک دعائے قنوت کی صورت یہ ہے کہ امام دعا کرے اور مقتدی خاموش رہے اور امام دعائے قنوت اونچی آواز میں پڑھے اور امام یوسف کے نزدیک بھی پسندیدہ یہی ہے کہ امام دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھے" (فتح القدر ص ۳۸۳ ج ۱ ط نولکشور)

آئینہ ماروئے ترا عکس پذیر است

گر تو نہ نمائی گناہ از جانب مانیست

اور تلبیہ کے بارہ میں تو علمائے احناف کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ اسے بلند آواز سے پکارنا چاہیئے چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ہدایہ میں ہے :

"و یکثر التلبیة عقب الصلاۃ... و یرفع صوته بالتلبیة"

"اور نمازوں کے بعد بکثرت لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک کہے اور تلبیہ پکارتے وقت آواز بلند کرے" (ہدایہ باب الاحرام کتاب الحج)

میر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

اور پھر مساجد احناف میں امام و خطیب خطبہ جمعہ میں کیوں بالالتزام بآواز بلند آدعیہ پڑھتے ہیں اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا منگواتے ہیں کیا ان کا یہ فعل آیت ﴿أدعوا ربکم﴾ الخ کے منافی تو نہیں۔

أحب مناجاۃ الحبیب بأوجه
ولکن لسان المذنبین کلیل

اور تو اور خود سورہ فاتحہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دعا ہے جیسا کہ مبسوط کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے اگر اونچی آواز سے دعا کرنا ممنوع ہی ہے تو پھر سورہ فاتحہ کو بلند آواز سے کیوں پڑھا جاتا ہے۔

تلقین درس اہل نظر یک اشارت است
کر دم اشارتے و مکرر نمی کنم

....پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بحمدالله

مسئلہ رفع الیدین

بسلسلہ احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر!

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ نے اپنی معرکہ آراء تصنیف "تذکرہ" میں ہمارے دوستوں کے طرز عمل کی کیا خوب منظر کشی کی ہے:

"اسی طرح کتب فقہ و واقعات و فتاوی و حوادث کی بے شمار تفریعات و محدثات فقہیہ ہیں جن سے قدماء وائمہ کو کوئی تعلق نہیں، مگر بے تکان لکھ دیا جاتا ہے کہ کذا عند أبی حنیفة و کذا عند فلان۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کسی قرار دادہ اصل کی بنا پر یہ تفریع ہے اور فلاں اصل جو ہم نے ان کی ٹھہرالی ہے، اس کی بنا پر یہ جزئیہ متفرع ہوتا ہے، حالانکہ تفریع خود ان کی ساختہ و پرداختہ ہے اور امام کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی تخریج در تخریج و تفریع در تفریع و قیاس در قیاس و استنباطات رائیہ چند در چند...... کتاب و سنت کی مصیبت عظمیٰ و رزیت کبریٰ ہے جس کی وجہ سے قرناً بعد قرنٍ و نسلاً بعد نسلٍ سخت و شدید غلطیاں بلکہ گمراہیاں واقع ہوتی رہیں، اور کارخانہ شرع میں فساد عظیم رونما ہوا، ازاں جملہ یہ کہ ناواقف عند أبی حنیفة دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ فرع امام ابو حنیفہؒ کا بعینہ مذہب ہے جب مسئلہ عشر فی العشر اور تحریم اشارہ فی التشہد، وکراہت رفع الیدین عند الرکوع، وکراہت آمین بالجہر، واقتداء خلفِ مخالف، وعدمِ وجوبِ طمانیہ، ووجوب لزوم وتعین وغیرہا کی نسبت صاف دیکھ رہے ہیں کہ صریح تصریحاتِ کتب اصول و مؤطا و جامع وغیرہ کے خلاف لکھا جا رہا ہے، حتی کہ بعض کوتاہ آستینانِ فقاہت کی دراز دستیاں یہاں تک بڑھیں کہ رفع الیدین عند الرکوع اور اشارہ فی التشہد کو فعل کثیر کہتے ہوئے

بھی نہ شرمائے' تو پھر اور باتوں کے لئے ان کا ہاتھ پکڑنے والا کون تھا؟ ؎

دراز دستی ایں کوتہ آستینان بین

اور یہ تو فروعات کا حال ہے لیکن کاش معاملہ اس سے آگے نہ بڑھتا- اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جوں جوں نصوصِ سنت کے معارضات بڑھتے گئے اور بحث و مناظرہ کا میدان وسیع ہوتا گیا' ساتھ ساتھ نئے نئے اصول و قواعد بھی بنتے گئے کہ اگر قاعدہ بن گیا تو ایک ہی ڈھال پر سارے وار روک لئے جائیں گے- حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ و صاحبین رحمہم اللہ کو ان اختراعی اصول و قواعد کا وہم و خیال بھی نہ گذرا ہوگا بلکہ ان کی تصریحات بینہ ان کے خلاف موجود ہیں- یہ جو مسلمہ قواعد ٹھہرا لئے گئے ہیں کہ :

الخاص مبین فلا یلحقه البیان۔

(تاکہ اس سے نماز میں فرضیت فاتحہ کو رد کیا جا سکے اور :)

الزیادة عی الکتاب نسخ فلا یکون الابایة ناصة او حدیث مشهور ناص......

(یہ قواعد ہیں جنہیں صحیح احادیث کے ٹھکرانے کے لئے گھڑ لیا گیا ہے)

تو ان میں سے کون سا قاعدہ ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ یا صاحبین کا ٹھہرایا ہوا ہے؟ لیکن یہ سب کچھ انہی کی جانب منسوب ہے اور ہزاروں مدعیان تفقہ و علم' و مشغولین درس و تدریس منار و ہدایہ ہیں جن کو اس کی خبر بھی نہیں' حتی کہ بعض دانشمندوں نے تو ایک ہی قاعدہ بنا کر سارے جھگڑے چکا دیئے :

إذا کان فی المسئلة قول لأبی حنیفة و صاحبیه و حدیث یحکمون بصحته ' وجب اتباع قولهم دون الحدیث ' لأنا نظن بأبی حنیفةؒ و صاحبیه أنهم عارضوا الحدیث مع صحته و صحة الإستنباط منه۔

یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح ایک طرف ہو اور دوسری طرف اس کے خلاف امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کا قول' تو واجب ہے کہ حدیث کو چھوڑ دیا جائے اور قول امام ہی کی پیروی کی جائے کیونکہ آخر کوئی تو بات ہوگی جس کی

وجہ سے انہوں نے ایسا کیا!

تو کیا یہ قاعدہ بھی اس وجود گرامی کا قرار دادہ ہو سکتا ہے جس نے اپنی ساری عمر مقدس اس صدائے حق کے اعلان و تکرار میں بسر کر دی کہ :

اترکوا قولي لخبر الرسول ﷺ۔

(میری بات کو رسول مقبول ﷺ کی بات کے مقابلہ میں ترک کر دو)

اور کیا اس طرح کے قواعد کا ان لوگوں کو گمان بھی گذر سکتا تھا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ :

إذا صح الحديث فهو مذهبي

اور

فاضربوا بقولي الحائط

(جب صحیح حدیث آجائے تو وہ میرا مذہب ہے اور میرا قول اس کے مقابلہ میں دیوار پر دے مارو)

فأين الثريا و أين الثرى

یہی وجہ ہے کہ محققین اہل سنت وائمہ سلفیہ اس پر متفق ہوئے کہ تمام ائمہ سلف کا دامن علم و عمل بدعت حیل سے پاک ہے اور جتنی باتیں ان کی نسبت سے کہی جاتی ہیں یا تو ان کی بنا یہ ہے کہ ان ائمہ کی کسی اصل کو لے کر اس پر خود غلط در غلط و ظلمات بعضها فوق بعض متاخرین نے تفریعات کی ہیں اور یا بندگانِ الٰہی کو گمراہ کرنے کے لئے ازراہِ مکر و تلبیس اپنی حیلہ تراشیوں کو ان کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

جب یہ بندگان نفس خدا کو دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے کہ یہی حقیقتِ بدعت حیل کی ہے تو ظاہر ہے کہ انسانوں کو دھوکا دینے اور ان پر افتراء کرنے میں ان کو کیا باک ہو سکتا ہے ؟ (تذکرہ ابو الکلام آزاد ص ۹۹-۱۰۱)

بعینہ مولانا عثمانی کا یہی عالم ہے جس کا نقشہ مولانا آزادؒ نے مندرجہ بالا سطور میں کھینچا ہے کہ وہ رفع الیدین کو فعل کثیر ظاہر کر کے اس کے کرنے کو قرآن حکیم کی

آیت :

﴿وقوموا لله قانتين﴾

اور

﴿الذين هم في صلاتهم خاشعون﴾

کے مخالف بتلاتے ہیں اور اس وقت ان کے دل میں رب العزت والجلال کا ذرا سا ڈر اور خوف بھی باقی نہیں رہتا کہ کس طرح وہ رسول اکرم ﷺ کی ایک سنت کی پائمالی کی خاطر کلام باری کو خود ساختہ معنی دے رہے ہیں اور صرف قول امام کی خاطر جس کی صحت نسبت بھی یقینی نہیں قرآن کو من مانا مفہوم عطاء کر رہے ہیں' مولانا آزاد کے ان الفاظ کو ذرا دوبارہ ملاحظہ فرمایئے :

"جب یہ بندگان نفس خدا کو دھوکا دینے سے باز نہیں آتے...... تو ظاہر ہے کہ انسانوں کو دھوکا دینے اور ان پر افتراء کرنے میں ان کو کیا باک ہو سکتا ہے۔"

يَامَنْ تَقَاعَدَ عَنْ مَكَارِمِ خُلُقِهِ
لَيْسَ التَّفَاخُرُ بِالْعُلُومِ الْفَاخِرَهْ
مَنْ لَمْ يُهَذِّبْ عِلْمُهُ اَخْلَاقَهُ
لَنْ يَنْتَفِعْ بِعُلُومِهِ فِيْ الآخِرَه

وگرنہ رفع الیدین کے بارہ میں اس قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ شائد ہی کسی دوسرے مسئلہ میں ہوں' اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خاتم النبیین ﷺ جن کی عصمت و حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے' کا کوئی ادنیٰ اور معمولی سا فعل بھی فرمان باری کے خلاف ہو' جب کہ کتاب اللہ کے بعد دیگر کتب حدیث صحاح و سنن وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے' فاروق اعظمؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

"رأيت رسول الله ﷺ إذ افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذى منكبيه و قبل أن يركع و إذا رفع من الركوع" (اخرجه الستة ومالك و محمد و

الدارمي والدارقطني والبيهقي وغيرهم)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے" (اس حدیث کو امام بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، دار قطنیؒ، دارمیؒ اور بیہقی نے روایت کیا ہے)

اور یہ اس پایہ کی حدیث ہے کہ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینی اس کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

هذ الحديث حجة على الخلق كل من سمعه فعليه أن يعمل به لأنه ليس في اسناده شيء۔

کہ یہ حدیث پوری دنیا پر حجت ہے، ہر وہ شخص جس کو اس حدیث کا علم ہو گیا اس پر واجب ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی جرح قدح نہیں۔ (تلخیص الحبیر لابن حجر ص ۸۱ ط دہلی)

دوسری روایت میں ہے، مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ"

"رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے، اور اسی طرح رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے"

(اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس حدیث کے ایک اور راوی حضرت ابو قلابہ نے جو بلند مرتبہ تابعی تھے، صحابی رسول ﷺ حضرت مالک بن الحویرث کو نماز میں دیکھا کہ وہ تکبیر تحریمہ اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے، اور

پھر نماز سے فارغ ہو کر انہوں (حضرت مالک بن الحویرث) نے فرمایا :-

"أن رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا"

"کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح رفع یدین فرمایا کرتے تھے"

(یہ حدیث بھی مسلم شریف میں موجود ہے)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ انہوں نے خلیفۃ الرسول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ اور رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کی اور نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ :-

"صليت مع رسول الله ﷺ و كان يرفع يديه أذا افتتح الصلاة و إذا ركع و إذا رفع رأسه من الركوع" (اخرجه البيهقي في سننه وقال رجاله ثقات)

"میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ افتتاح نماز اور رکوع جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین فرمایا کرتے تھے"

(اس روایت کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں)

اور اسی طرح خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

"عن رسول الله ﷺ أنه كان إذا قام إلى الصلاة المكتوبة كبر و رفع يديه حذو منكبيه و يصنع مثل ذلك إذا قضى قراء ته و أرادا أن يركع و يصنعه إذا رفع من الركوع ولا يرفع يديه في شيء من صلاته و هو قاعد و إذا قام من السجدتين رفع يديه كذلك و كبر" (رواه أبوداؤد والترمذي وقال حسن صحيح)

"رسول اکرم ﷺ جب فرض نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں تک اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماتے اور اسی طرح جب قرأت مکمل فرما لیتے اور

رکوع میں جانا چاہتے تو رفع یدین فرماتے اور رکوع سے فارغ ہو کر سر اٹھاتے تو پھر رفع یدین فرماتے اور اس کے علاوہ دیگر حالتوں میں رفع یدین نہ فرماتے اور جب دو رکعتوں کے بعد تشہد فرما کر اٹھتے تو اس وقت بھی رفع یدین فرماتے" (اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے' ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے' اور امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"صليت مع رسول اللهﷺ فكان إذا كبر رفع يديه قال ثم التحف ثم أخذ شماله و أدخل يديه في ثوبه قال فإذا أراد أن يركع أخرج يديه ثم رفعهما إذا أراد أن يرفع رأسه من الركوع رفع يديه" (رواه ابوداؤد و النسائی)

"میں نے رسول اکرمﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب آپﷺ اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین فرماتے' پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے اور چادر کے اندر کر لیتے پھر رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرتے"

یہ ہیں احادیث رفع یدین کی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود خواجۂ یثرب و والیٔ بطحا صلوات اللہ و سلامہ علیہ رفع یدین فرمایا کرتے تھے اور جس کو مولانا عثمانی صرف اہل حدیث کی مخالفت کی بنا پر منافیٔ قرآن بتلانے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں ؎

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ!
عشق کاریست کا بے آہ فغان نیز کنند

اور نہیں جانتے کہ جس قدر احادیث مسئلہ رفع الیدین میں موجود ہیں اس قدر شائد ہی کسی مسئلہ میں ہوں' اور بعض علماء کے نزدیک تو احادیث رفع یدین حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس قدر احادیث رفع یدین کے بارہ میں آئی ہیں اس قدر کسی اور مسئلہ میں نہیں (تلخیص) لیکن ؎

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اور امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے تو ایک مستقل رسالہ "جزء رفع الیدین" کے نام سے تحریر فرمایا جس میں تقریباً انیس اصحاب رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے کہ ان سے صراحتاً مروی ہے کہ وہ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے اور ان صحابہ میں فاروق اعظمؓ حیدر کرار خادم رسول اللہ ﷺ انس بن مالک، ابن عم رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔

...... پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

رابطہ کے لئے:
تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ

1/639 مسجد الرحمٰن گوالمنڈی راولپنڈی